رجسٹرڈ نمبر اے ۳۲۲۳

علمی، ادبی، اقتصادی، تاریخی، سیاسی، اردو عربی

ماہنامہ

قائد

مرادآباد

مدیر مسئول

سید محی الدین اختر اسلام

ترسیل زر کا پتہ

(مولانا حکیم) انظار احمد فیل خانہ مرادآباد

قائد التحریر

سید محمد میاں

سالانہ سفید کاغذ گلیز عہ، سفید کاغذ رف عہ
ششماہی " عہ " " ۱۲ر

فی پرچہ ۳ر
نمونہ مفت

برقی پریس ساٹھے کمپنی مرادآباد

تاریخ القائد
۱۳۵۷ھ

جریدۂ خجستہ بنیاد
۱۳۵۷ھ

قواعد و ضوابط رسالہ

(۱) رسالہ کا نیا سال محرم سے شروع ہوتا ہے اور قمری ماہ کی ، تاریخ تک رسالہ تیار ہو جاتا ہے۔ ۱۰ کو ڈاکخانہ میں پہنچا دیا جاتا ہے۔

(۲) اندرون ہند قمری ماہ کی ۱۵ تک رسالہ نہ پہنچے یا غلطی سے قسم اول کی بجائے قسم دوم پہنچ جائے۔ تو فوراً مطلع فرمایا جائے۔

(۳) قمری ماہ کی ۲۵ تاریخ کے بعد رسالہ نہ پہنچنے کی شکایت ہوگی تو رسالہ قیمت سے بھیجا جائے گا۔

(۴) پتہ صاف اور خوشخط تحریر فرمایا جائے۔ اگر انگریزی کے پتہ کی ضرورت ہو تو اس سے بھی مطلع فرمایا جائے

(۵) خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیں۔

(۶) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہیئے۔ ورنہ دفتر جواب کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

(۷) مہذب اشتہارات شائع کئے جا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ اجرت پیشگی ادا فرمائی جائے۔

(۸) مہذب اور مستند مضامین شائع کئے جا سکتے ہیں مگر مسلک کے مخالف مضامین پر سنجیدہ تبصرہ بھی کیا جائے گا۔

(۹) چندہ سالانہ بذریعہ منی آرڈر آنا چاہیئے۔

(۱۰) ترسیل زر بنام مولانا حکیم انتظار احمد صاحب مدیر انتظامی رسالہ قائد مرادآباد ہونا چاہیئے۔

(۱۱) ایجنسی کی شرائط خط و کتابت سے طے کی جائیں۔

(۱۲) چونکہ ۶ سے پہلے رسالے دفتر میں باقی نہیں رہے۔ لہٰذا مسلسل مضامین کے متعلق یہ تجویز کیا گیا ہے کہ اگر آخری ذیقعدہ ۱۳۵۷ھ تک کم از کم ڈھائی سو فرمائشیں موصول ہو جائیں تو نمبر ۶ تک کے مسلسل مضامین کی کاپیاں طبع کرا کر فرمائش کنندگان کی خدمت میں بھیجدی جائیں گی۔ بشرطیکہ وہ آئندہ سال کا چندہ ماہ محرم ہی میں ادا فرمانے کا وعدہ فرمالیں۔ یعنی ابتداء محرم سے خود کو خریدار قرار دے لیں۔

شرح چندہ

اندرون ملک		بیرون ملک	
سالانہ	ششماہی	عمدہ کاغذ	۸ شلنگ
عمدہ کاغذ ۳	صہ	معمولی کاغذ	۶ شلنگ
معمولی کاغذ عہ	۱۲/		

اجرت اشتہارات

	ایک صفحہ	½ صفحہ	¼ صفحہ
ایک مرتبہ	سے	صر	عہ ۱۲/
ایک سال یعنی ۱۲ مرتبہ	معہ	للعہ	صمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرح چندہ		ممالک غیر	
سالانہ عمدہ کاغذ	[illegible]	سالانہ	
ششماہی	عہ	عمدہ کاغذ	چار (۴) شلنگ
سالانہ معمولی کاغذ	عہ	معمولی کاغذ	۳ شلنگ
ششماہی	۱۲؍		

ماہنامہ قائد
مراد آباد

(ترسیل زر کا پتہ)

مولانا حکیم انظار احمد صاحب مدیر نظامی محلہ فیلخانہ مراد آباد

نمبر ۸ | بابت ماہ رمضان المبارک ۱۳۵۷ھ | جلد ۱

فہرست مضامین

سب سے پہلے مندرجہ ذیل نمبروں کو ملاحظہ فرمائیے

(۱) صـ۱ـ سے صـ۸ـ تک

ایک نہایت اہم تجویز ہے جو اکابر علماء ہند کی جانب سے جناب کی رائے معلوم کرنے کے لئے شائع کی گئی ہے۔ اُسکو غور سے ملاحظہ فرما کر ۵ر شوال المکرم تک رائے عالی سے مطلع فرمائیے۔ تجویز نہایت اہم ہے نظر انداز نہ فرمائیے

(۲) رمضان المبارک کے مبارک ماہ میں

ہر نیکی کا ثواب ستر گنا ملتا ہے۔ رسالہ قائد تبلیغ اور اصلاح و ترقی مسلم کے اہم مقاصد لیکر عالم وجود میں آیا ہے۔ اسکی اشاعت کی جدوجہد کارِ نیک ہے۔ آپ اس مبارک ماہ میں رسالہ قائد کے کم از کم دو خریدار بنا دیجئے۔ آپ کو انشاء اللہ صدقہ جاریہ کا ثواب ملے گا۔

(۳) بہت بڑی خوشخبری

> **ایک غلطی کی اصلاح**
> فہرست کتب کے آخری صفحہ پر
> آنیوالے انقلاب کی تصویر کا
> اشتہار درج ہے اسکی قیمت لکھنی
> رہ گئی جو حسب ذیل ہے۔
> فی نسخہ ۸ر علاوہ محصولڈاک
> سو نسخوں کی رعایتی قیمت
> [illegible] معہ محصولڈاک [illegible]

خداوند ذوالجلال کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ رسالہ قائد اپنی تھوڑی سی عمر میں توقع سے زائد حضرات علما کی توجہات عالیہ کا محور بن گیا۔ حضرت علامہ مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی۔ حضرت علامہ سید سلیمان صاحب ندوی۔ عالیجناب آنریبل حافظ ابراہیم صاحب۔ عالی جناب سید طفیل احمد صاحب جیسے علما و زعماء ملت کی گراں قدر تقریظات رسالہ اور اخبارات میں شائع ہو چکی ہیں۔ علاوہ ازیں بڑی مسرت یہ ہے کہ اکابر علماء نے "قائد" کو اپنے گراں قدر مضامین کے لئے منتخب فرمانا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ اس وقت دو مضمونوں کی اطلاع نہایت مسرت کے ساتھ پیش کی جاتی ہے

(۱) حضرت مجاہد ملت علامہ غازی مولانا ابوالحامد محمد بن عبداللہ عرف علامہ منصور انصاری مدظلہ مقیم کابل کے گرانقدر ملفوظات حکومت الٰہی اور اسلامی سیاسیات کے متعلق۔ چنانچہ اس نمبر میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے

(۲) حضرت مولانا روم کی ایک مختصر اور نہایت مفید کتاب فیہ ما فیہ ہے۔ اس کا نایاب نسخہ کچھ عرصہ ہوا عبدالماجد صاحب دریاآبادی نے بڑے اہتمام سے طبع کرایا تھا۔ حضرت مولانا حافظ محمد یوسف صاحب انصاری نبیرۂ حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز نے بڑی جدوجہد اور پوری توجہ اور غور کے ساتھ اس کا ترجمہ فرمایا ہے۔ آپنے یہ ترجمہ "قائد" کو مرحمت فرما دیا ہے۔ آئندہ ماہ سے یہ ترجمہ حضرت علامہ مولانا سید فخرالدین احمد صاحب کی نظر ثانی کے ساتھ ساتھ رسالہ میں شائع ہوا کرے گا۔ انشاءاللہ

بہبودی ملت کے متعلق بہی خواہان امت سے

اہم مشورہ

(از حضرت شیخ الہند مولانا سید حسین احمد صاحب و مولینا سید فخر الدین احمد صاحب و
(مولینا اعزاز علی صاحب و مولینا عبدالحق صاحب مدنی)

غور فرمائیے اور جلد جواب سے مشرف فرمائیے

(۱) آج اس حقیقت کو کسی طرح بھی چھپایا نہیں جا سکتا کہ ہندوستان ایک عظیم الشان انقلاب کے مرحلے طے کر رہا ہے۔ اور انقلاب کی جو روح کے رگ و پے میں دی گئی وہ اسی فطری قانون کی لائنوں پر کارفرما ہے جس کے متعلق ارشاد ہوا ہے تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ

(۲) جبکہ ہندوستان کا ہر آنے والا دن تغیر اور انقلاب کی نئی شکلوں اور صورتوں کے ساتھ ظہور پذیر ہو رہا ہے۔ تو خداوندی قانون ہمیں حضرت حق جل مجدہ کی مندرجہ ذیل قدیمی سنت بار بار یاد دلا کر آخری جدوجہد کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ الآیۃ۔ یعنی

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

(۳) ہم مسلمان بھی ہیں اور ہندوستانی بھی۔ جس طرح ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے ملک وطن کا تحفظ اور اس کی ترقی ہمارا فرض ہے۔ اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے تحفظ اور ترقی ملت ہمارا فرض ہے۔

(۴) تحفظ حقوق کا ہر ایک معاہدہ جو انقلاب کے سیل و نہار اور سیاسی تغیرات کے موج در موج تلاطم میں لکھا جائے کاغذی ناؤ ہے۔ جب تک حقوق کے سائل کے پاس تحفظ حقوق کی طاقت خود موجود نہ ہو

(۵) ملت اسلامیہ اور اسلامی دستور و معاشرت (کلچر) کے تحفظ اور ترقی کے لئے ہمارے خیال میں حسب ذیل چار چیزوں کی ضرورت ہے۔

(الف) تعلیم و تبلیغ (ب) تنظیم علماء و تنظیم مسلم (ج) محکمہ قضا جس کے ذریعہ سے طلاق۔ خلع۔ ترکہ۔ اوقاف۔ نکاح اور اس قسم کے پرسنل لا کا اجرا اپنے اختیارات سے کر سکیں (د) اقتصادی نظام یعنی ایسا نظام جس کے ذریعہ سے مسلمانوں میں صنعت و حرفت۔ زراعت۔ تجارت وغیرہ کی زیادہ سے زیادہ ترویج ہو۔

(۶) (الف) یعنی تعلیم و تبلیغ کے تحفظ کے لئے ہمارے پاس مدارس عربیہ کا موجودہ سلسلہ کافی ہے۔ جس کو ترقی دینا اور اس کی خامیوں کو دور کرنا ہر ہی خواہ ملت کی توجہات کا مرکز بنا ہوا ہے اور بنا رہنا چاہئے۔ اسی نظام نے آج تک ہندوستان میں اسلامی دستور اور اسلامی معاشرت کو محفوظ رکھا۔ اور یہی نظام آئندہ کے لئے بھی محافظ ہوگا۔ (ب) یعنی تنظیم علماء اور تنظیم مسلم کے لئے جمعیۃ العلما اور اس کے ماتحت احرار اسلام کا نظام کافی ہے۔ جس کو ترقی دینا بیشک ضروری ہے۔ جمعیۃ العلما علما کی تنظیم کرتی ہے۔ جس کے ضمن میں بے ضابطہ طور پر عام مسلمانوں کی تنظیم بھی ہو جاتی ہے۔ آپ جمعیۃ العلما کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے علما کی تنظیم کیجئے اور اسی کے ماتحت انجمن احرار قائم کر کے عام مسلمانوں کی تنظیم کر لیجئے (ج) یعنی محکمہ قضا کا قیام اور اس کا اجرا جمعیۃ علماء ہند کے مطالبات میں داخل ہے۔ جس کے لئے وہ ساعی ہے اور اس کی امداد عام مسلمانوں پر فرض ہے۔

(البتہ (د) کے لئے یعنی اقتصادی نظام کے لئے اب تک کوئی انتظام جماعتی حیثیت سے نہیں۔ حالانکہ وہ تمام ہی نمبروں کے لئے ریڑھ کی ہڈی ہے۔

(۷) مختصر یہ کہ اقتصادی نظام کے سوا تحفظ و ترقی ملت کی مذکورۂ بالا ضرورتوں کے لئے ہر قسم کے نقشے اور خاکے ہمارے پاس موجود ہیں۔ لیکن یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ انقلابی طوفان کی تھپیڑوں کے مقابلہ کے لئے اُن کو اس سے بہت زیادہ قوت درکار ہے۔

(۸) تحفظ ملت کے ان تمام نقشوں اور خاکوں پر قلعہ بندی اور اُن کو زیادہ سے زیادہ مستحکم کرنا کس کا فرض ہے اور اس کا کون اہل ہے۔ صرف وہی جو دین متین کی باریکیوں۔ شریعت غرا کی سیاست۔ ملت بیضا کے زاویہ نگاہ اور نکتہ نظر سے صحیح واقفیت رکھتے ہوں۔ یعنی علماء کرام اور خصوصاً وہ نوجوان علماء جو دار العلوم دیوبند۔ مدرسہ شاہی مراد آباد جیسے آزاد (غیر امدادی) مدارس عربیہ سے تعلیم پا کر فارغ ہوں۔ جن کی فطرت غیور اور خود دار ہو۔ جن کے حوصلے بلند ہوں۔ جن کے

جذبات ترقی و استقلال کے لالہ زار ہوں۔ جو حریت اور انقلاب کے بھنور میں کود پڑیں۔ سیاست کے میدان میں گھوڑے دوڑا دیں۔ اور تقدیر ملت کے لئے نیک فال ہوں۔

(۹) لیکن بدقسمتی سے (الف) ایسے قابل قدر نوجوان بسا اوقات مفلوک الحال تہی دست ہوتے ہیں اُن کے پاس تعلیم یا تبلیغ کے سوا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہوتا۔ (ب) وہ جذبات بیشک رکھتے ہیں مگر سیاسی مہارت حاصل کرنے کے لئے کوئی علمی ذخیرہ نہیں ملتا جس سے وہ معلومات حاصل کرسکیں۔ (ج) مدارس عربیہ کے کتب خانے سیاسی کتابوں سے عموماً خالی ہیں۔ اور اگر وہ کتابیں فراہم کر بھی لیجائیں تو عربی مدارس کے نصاب کے مشاغل اُن کو اتنی فرصت نہیں دے سکتے کہ وہ خاطرخواہ مہارت حاصل کرسکیں۔ اور تحصیل فراغت کے بعد ضروریات معاش اتنی مہلت نہیں دیتے کہ وہ ایک دو سال قیام کرکے مہارت حاصل کرسکیں (د) مدارس عربیہ کے نصاب کی اصلاح بیشک ضروری۔ مگر اس حد تک کہ اُن کے اصل مقصود پر اثر انداز نہ ہو۔

(۱۰) ستر اسی سال کا تجربہ ہے کہ جب کسی مذہبی مدرسہ میں عربی اور مذہبی تعلیم کے ساتھ ایسا کورس داخل کیا گیا جو سرکاری ملازمتوں کے لئے تعلیمیافتہ فراہم کرسکے تو اسلامی وضع قطع اور طرز معاشرت مذہبی سادگی۔ احکام شریعت پر پختگی سے ثبات اور جمود مذہبی اعمال کی گرویدگی اور دلدادگی انحطاط پذیر ہوگئی۔ حتےٰ کہ بعض بعض مدارس میں قطعاً فنا ہوگئی۔ مدرستہ العلوم۔ علی گڈھ (علی گڈھ کالج) مدرسہ عالیہ کلکتہ۔ شمس الہدیٰ پٹنہ وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے دعوے کے شاہد ہیں۔

(۱۱) وار دھا تعلیمی اسکیم یا اس جیسی کوئی تجویز جو تمام ہندوستان کے لئے ہو۔ بظاہر فضلاء مدارس عربیہ کے لئے کوئی خاص رعایت لئے ہوئے نہ ہوگی۔ اور اگر یہ مدارس عربیہ اس اسکیم کو قبول کرلیں تو جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔ وہ اپنے مقصود کو فوت کردیں گے۔ بلاشبہہ آج ہم اسلامی کلچر سے محروم ہوجاتے۔ اگر دارالعلوم دیوبند جیسے مدارس ہماری قوم کے پاس نہ ہوتے جنہوں نے زمانہ کی خواہشات سے بالا ہوکر ابناء زمانہ کے ہر ایک سب وشتم کے باوجود اپنی سادہ وضع پر نہایت پختگی کے ساتھ جمود اختیار کئے رکھا۔

نتیجۂ کلام

اسی قسم کے وجوہات کی بنا پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی اور صنعتی تربیت کے لئے کوئی ایسا

نظام قائم کیا جائے اور ضرورت اس بات کی ہے کہ [illegible] کی پریشانی [illegible] کو [illegible] سے محفوظ [illegible]
کمپنی لمیٹڈ کی ایک تجویز پیش خدمت ہے۔ جناب والا سے [illegible]
اہم ضرورت کے ہر ایک پہلو پر کافی غور و خوض فرما کر نیز اپنے احباب [illegible] سے مشورہ [illegible]

جلد مطلع فرمادیں کہ

(الف) مذکورہ بالا ضرورتیں اگر جناب والا کو تسلیم ہیں تو پیش کردہ تجویز جناب کے نزدیک درست ہے
(ب) اگر درست نہیں تو ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے جناب کے نزدیک کیا شکل بہتر ہے

مندرجہ ذیل پتہ پر رائے عالی سے مطلع فرمایئے

(مولوی) محمد میاں صاحب مدرس مدرسہ شاہی۔ مراد آباد

تجویز متعلق سیاسی تربیت گاہ دار الصنائع کمپنی لمیٹڈ

(۱) سیاسی تربیت گاہ قوموں کی ترقی اور برتری سیاسی برتری پر موقوف ہوا کرتی ہے اور قوم
جبکہ سیاسی برتری اقتصادی برتری پر موقوف ہے۔ تو ضرورت ہے کہ عام مسلمان اقتصادیات میں پیش پیش
ہوں۔ اس مقصود کی تکمیل کے لئے نیز اس لئے کہ دہریت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے اور
عام مسلمانوں میں مذہبی احساس و جذبات پیدا کرنے کی صورت صرف یہی ہے کہ علماء کرام کا قدم سیاسیات
اور اقتصادیات میں تمام جماعتوں سے آگے ہو۔ وہ ان چیزوں کے بہترین ماہر ہوں صنعت و حرفت
سے واقفانہ دلچسپی رکھتے ہوں۔ اپنے ملک اور تمام دنیا کے سیاسی اور اقتصادی مقتضیات کے بہتر
مفکر اور بالغ النظر مبصر ہوں۔ لہٰذا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آزاد مدارس عربیہ کے تعلیم یافتگان
کی سیاسی اور اقتصادی تربیت کے لئے خودداری اور خود اعتمادی کے اصول پر ایک تربیت گاہ
قائم کی جائے۔ جس میں۔

(الف) اقوام عالم کی تاریخ۔ ان کی ترقی اور تنزل کے فلسفہ اور دنیا کی موجودہ سیاسیات
نیز اقتصادیات اور معاشیات کا مطالعہ اور مذاکرہ کرایا جائے۔

(ب) جغرافیہ۔ مساحت۔ حساب تجارت وغیرہ۔ نیز اُن زبانوں کی تعلیم دی جائے جو سیاسی
یا تبلیغی اعتبار سے ضروری ہوں۔ اور جن کے حصول کے بعد وہ سرکاری اور غیر سرکاری سیاسی و اقتصادی

مدد لیں اور سود سے حاصل کر سکیں۔

(ج) فنون حربیہ کی تعلیم دی جائے۔ (جس حد تک قانون اجازت دیتا ہے)

(د) مندرجہ ذیل صنعتوں میں سے کسی ایک صنعت یا جملہ صنعتوں کی تعلیم دی جائے تاکہ ذرائع معیشت پیدا ہوں اور حضرات علماء کا اقتدار روز افزوں ہو۔

پارچہ بافی چرم سازی۔ اسلحہ سازی۔ نجاری۔ پریس۔ زراعت۔ ظروف سازی۔

(۱۰) **مصارف** (۱) سپاہی تربیت گاہ کے اساسی نکتہ نظر یعنی خودداری اور خود اعتمادی کے اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے نیز اس کی ضروریات کے تکمیل کے واسطے تربیت گاہ کے ساتھ ضروری ہے کہ ایک تجارتی کمپنی قائم کی جائے۔ جو باقاعدہ گورنمنٹ میں رجسٹرڈ ہو۔ اس تربیت گاہ کی صنعتوں کے لئے جنس خام بہم کرنا اور اس کی مصنوعات کو فروخت کرنا اس کمپنی کا کام ہوگا۔

(ب) سپاہی متعلم کو کم از کم چار گھنٹہ یومیہ دارالصنائع میں کوئی صنعت کرنی ہوگی۔

(ج) ہر تربیت پانے والے کو دارالصنائع میں روزانہ اتنا کام ضرور کرنا ہوگا جس کی اجرت اس کے وظیفہ کی برابر ہو۔

(د) ماہرین صنعت کی تنخواہ کمپنی کے ذمہ ہوگی۔ اور وہ کمپنی کے لئے چیزیں تیار کریں گے۔

(ہ) معلمین کی تنخواہ یا دفعہ ۳ ضمن ج کے بموجب وظائف (جن کا ذکر آگے آرہا ہے) یا متفرق خرچہ جات مثلاً کتب و آلات برائے تعلیم وغیرہ کمپنی کے نفع کے بل سے ادا کی جائے گی۔

(و) حکومت اپنا فرض محسوس کرتے ہوئے اگر اس ادارہ کی امداد کرے تو اس کی منظوری سے بھی انکار نہ ہوگا بشرطیکہ تربیت گاہ کی پالیسی پر کوئی اثر نہ ہو۔

(ز) بجٹ کی باقی کمی۔ یا تربیت گاہ کی تعمیر کیلئے بوقت ضرورت مجلس منتظمہ کی منظوری کے بعد عام چندہ بھی مسلمانوں سے طلب کیا جا سکتا ہے۔

(۳) **وظائف تربیت یافتگان۔ سپاہی تربیت گاہ** (الف) تربیت گاہ کے متعلمین کو اُن کی صنعت کی اجرت کے بموجب وظیفہ دیا جائے گا۔ لیکن اگر یہ وظیفہ اُن کے اخراجات کے بموجب ہو تو صرف ان کے مصارف کا تکفل ہوگا۔ ان کو نقد کچھ نہ دیا جائے گا۔ اور جیسے جیسے اُن کی صنعت کی اجرت ان کے وظیفہ کی مقدار سے بڑھتی رہیگی، فاضل رقم اُن کو نقد ادا کی جائے گی۔

(ب) ہر متعلم کا ماہانہ خرچ یعنی کھانا ناشتہ۔ کپڑا۔ آلات۔ کتب۔ دوا۔ روشنی۔ صفائی۔ دھلائی۔ حجامت وغیرہ کا خرچ عـــہ ماہانہ قرار دیا جائیگا۔

(ج) ابتداءً چار ماہ تک اس وظیفہ کی متکفل خود تربیت گاہ ہوگی۔

(د) چار ماہ میں اختیار کردہ صنعت سے اس قدر واقفیت حاصل کر لینی ضروری ہوگی کہ کم از کم ۵ روپیہ اس کے چار گھنٹے کے کام کی اجرت ہو سکے۔

(ہ) اگر چار ماہ میں اس قدر دسترس حاصل نہ ہو سکی تو یہ بھی اس کے اخراج کی ایک وجہ بن سکتی ہے۔ اور اگر اس کا باعث لاپرواہی ہو تو خرچ کردہ رقم اس متعلم سے وصول کی جائیگی۔ اور اگر ضرورت محسوس کی جائے تو اطمینان کے لئے داخلہ کے وقت زر ضمانت کا مطالبہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

(و) ہر داخلہ کے وقت اتنے ہی طلبہ کو لیا جائیگا جتنے کا تکفل عـــہ ماہانہ کے حساب سے تربیت گاہ کر سکے۔

(ز) مگر یہ کہ کوئی شخص چار ماہ تک اپنے مصارف کا خود متکفل ہو تو اس کو داخل کیا جا سکتا ہے۔

(ح) جدید داخلہ سال میں دو مرتبہ ہوگا۔

دار الصنائع کمپنی لمیٹڈ (۱) مسلمانوں کی گھریلو صنعتوں کو محفوظ اور ترقی یافتہ کرنے اور ان میں مزید شوق اور دلچسپی پیدا کرنے کی غرض سے یہ کمپنی قائم کی جائیگی۔ جس کے ساتھ ایک سیاسی تربیت گاہ ہوگی۔ جس پر اس کمپنی کے نفع کا ½ صرف ہوگا اور ان حصص کا پورا نفع صرف ہوگا جو تربیت گاہ کے لئے وقف ہوں۔

(۲) اس کمپنی کا سرمایہ سردست دس لاکھ روپیہ ہوگا۔ پھر اگر ڈائرکٹران کمپنی ضرورت سمجھیں تو اس سرمایہ میں زیادتی بھی کر سکتے ہیں۔

(۳) کمپنی کے سردست ایک لاکھ حصے ہوں گے۔ ہر حصہ کی قیمت عـــہ ہوگی۔

(۴) کم از کم دو ہزار حصص کی فروخت یعنی بیس ہزار روپیہ کی فراہمی پر کمپنی کا کام شروع کر دیا جائیگا۔

(۵) کمپنی کے ماتحت سردست مندرجہ ذیل شعبے ہوں گے۔

پارچہ بافی۔ چرم سازی۔ اسلحہ سازی۔ نجاری۔ پریس۔ زراعت۔ ظروف سازی۔

(۶) جملہ دفعات کی تفصیل اس وقت بیکار ہے۔ اس لئے آئینی اور دستوری دفعات کو چھوڑ کر صرف ان دفعات کو تحریر کر دیا گیا جن سے اصل منشا واضح ہو سکے۔ امید ہے کہ ناظرین کرام جلد از جلد جواب کی طرف توجہ منعطف فرمائیں گے

تعلیماتِ فرقان — صفاتِ الٰہیہ

تیسری صفت علم

(سلسلہ کیلئے دیکھو قائد ۵ بابت ماہ جمادی الثانی صفحہ ۱۰)

(از حضرت علامہ مولانا سید فخر الدین احمد صاحب شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد)

علم الٰہی ہر شے اور ہر ایک ذرہ کو محیط ہے۔

وان اللہ قد احاط بکل شیء علما

خدا نے احاطہ کیا ہے ہر چیز کا علم سے۔

ما تکون فی شان وما تتلو منہ من قران
ولا تعملون من عمل الا کنا علیکم شھودا
اذ تفیضون فیہ وما یعزب عن ربک
من مثقال ذرۃ فی الارض ولا فی
السماء ولا اصغر من ذلک ولا اکبر
الا فی کتاب مبین (ج ۱۱ ع ۷ سورۂ یونس)

نہیں ہوتا ہے تو کسی حالت میں اور نہ پڑھتا ہے اس میں سے کچھ
قرآن اور نہیں کرتے ہو تم کوئی عمل مگر ہم تمہیر حاضر اور شاہد
رہتے ہیں جبکہ تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو۔ اور نہیں
غائب رہتا تیرے رب سے ایک ذرہ بھر زمین میں اور نہ
آسمان میں اور نہ اس سے چھوٹا اور نہ اس سے بڑا مگر لکھا ہوا
ہے روشن اور کھلی ہوئی کتاب میں (ج ۱۱ ع ۷ یونس)

علم الٰہی غیر محدود ہے

قل لو کان البحر مدادا لکلمات ربی
لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی
ولو جئنا بمثلہ مددا
(سورہ کہف ۱۲ ع ۱۲ ج ۱۶)

آپ فرما دیجئے کہ اگر سمندر روشنائی بن جائیں میرے
رب کی باتیں لکھنے کیلئے تو سمندر ختم ہو جائیں اس سے
پیشتر کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں اگرچہ ہم اور سمندر اس
ہی جیسا ملا کر بڑھا دیں (سورۂ کہف ع ۱۲ ج ۱۶)

ولو ان ما فی الارض من شجرۃ
اقلام والبحر یمدہ من بعدہ
سبعۃ ابحر ما نفدت کلمات اللہ
ان اللہ عزیز حکیم (لقمان ع ۳ ج ۲۱)

جتنے بھی زمین میں درخت ہیں اگر وہ قلم ہو جائیں
اور سمندر کی روشنائی کو مزید سات سمندر مل کر بڑھاتے
رہیں تو اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں۔ بیشک اللہ
تعالیٰ صاحب عزت اور صاحب حکمت ہے۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فی حدیث موسیٰ وخضر علیهما السلام۔ فجاء عصفور فوقع علیٰ حرف السفینة فنقر نقرةً او نقرتین فی البحر فقال الخضر یا موسیٰ ما نقص علمی وعلمك من علم الله الا کنقرة هذا العصفور

(بخاری شریف۔ کتاب العلم ج۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا "ایک چڑیا آکر کشتی کے کنارہ پر بیٹھ گئی اور سمندر کے پانی میں ایک یا دو چونچ ماری حضرت خضر نے کہا اے موسیٰ میرے اور آپ کے علم نے اگر بالفرض خدا کے علم میں کچھ کمی کی ہو گی تو صرف اتنی ہی جتنی اس چڑیا کی ایک چونچ نے اس سمندر کے پانی میں کمی کی ہے

(بخاری شریف۔ کتاب العلم ج۱)

قال العبد الضعیف هذا تقریب والا فالبحر له نهایة ونقرة العصفور لها مع ماء البحر نسبة واما علم الله فلیس له غایة

بندہ ضعیف کہتا ہے کہ یہ صرف ایک مثال دینی اور سمجھانا مقصود ہے۔ ورنہ علم الٰہی کے ساتھ علم مخلوقات کی یہ نسبت بھی درست نہیں ہوتی۔ کیونکہ سمندر کی کوئی انتہا تو ہے اور اسی طرح چڑیا کی چونچ کو ایک نسبت سمندر کے پانی کے ساتھ ضرور ہے مثلاً وہ کروڑ سہام میں سے ایک ہے یا ارب سہام میں سے ایک لیکن علم الٰہی کے لئے تو کوئی انتہا ہی نہیں۔ اور نہ اس کیساتھ کسی چیز کی کوئی نسبت قائم کی جاسکتی ہے

علم الٰہی میں حاضر اور غائب کا کوئی تفاوت نہیں

عالم الغیب والشهادة وهو الحکیم الخبیر۔ ۹۶ سورہ انعام ج۷

عالم ہے غائب اور حاضر کا۔ صاحب حکمت خبردار۔

عالم الغیب لا یعزب عنه مثقال ذرة فی السموات والارض ولا اصغر من ذلك ولا اکبر الا فی کتاب مبین

(۲۲ ع ۱۶ ۱ سورہ سبا)

دانا غیب کہ اس سے غائب نہیں ہو سکتا ایک ذرہ کی برابر آسمانوں کے اندر نہ زمین کے اندر اور کوئی چیز نہیں اس سے چھوٹی یا اس سے بڑی جو نہ ہو کتاب مبین روشن اور واضح کتاب میں۔

ترجمہ تفسیر ابن کثیر

تفسیر سورہ فاتحہ

گذشتہ سے پیوستہ

(از حضرت علامہ مولانا سید فخر الدین احمد صاحب شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد)

(حافظ ابو بکر احمد بن موسیٰ ابن مردویہ، بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سات آیتیں ہیں۔ ان میں سے ایک بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے۔ یہی سورت سبع مثانی ہے یہی قرآن عظیم ہے یہی ام کتاب۔ یہی فاتحۃ الکتاب ہے۔ ایضاً دارقطنی بروایت حضرت ابو ہریرہؓ۔ کہتے ہیں کہ اس سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اجمعین یہ سب حضرات سبع مثانی کی تفسیر سورۂ فاتحہ سے کیا کرتے تھے۔ نیز یہ کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کی ساتویں آیت ہے۔ (یہ تمام بحث بسم اللہ کے سلسلہ میں آئے گی)

حضرت اعمش بروایت حضرت ابراہیمؒ) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا۔ آپ نے سورۂ فاتحہ اپنے قرآن میں کیوں نہیں لکھی۔

ابن مسعود نے فرمایا کہ اگر میں لکھتا تو ہر سورت کے شروع میں لکھتا۔ میں نے تحریر کے مقابلہ پر اسی کو کافی سمجھا کہ ہر ایک مسلمان کو یہ سورت تو یاد ہوتی ہی ہے۔

(مقصود یہ ہے کہ چونکہ نماز کی ہر رکعت میں فاتحہ ضرور پڑھی جاتی ہے اور کسی سورت کی تخصیص نہیں تو سورہ فاتحہ بھی ایک حد تک بسم اللہ جیسی ہو گئی۔ لہٰذا اس کا لکھنا ضروری نہیں معلوم ہوا۔ یہ بات واضح رہے کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ نے اپنے مصحف کو قرأت کی ترتیب پر مرتب فرمایا تھا۔ اسی بنا پر یہ ارشاد ہے کہ اگر فاتحہ کو لکھتا تو ہر ہر سورت سے پہلے لکھتا)

بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ قرآن میں اول فاتحہ کا نزول ہوا۔ چنانچہ بعض نے اسکو اختیار کیا ہے۔ اور باقلانی نے تین قول نقل کئے ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یا ایہا المدثر سب سے پہلے نازل ہوئی۔ یہی قول صحیح ہے۔ اسکی تقریر اپنے موقعہ پر آگے آئیگی (انشاء اللہ)

سورۂ فاتحہ کے فضائل (امام احمدؒ بروایت ابو سعید بن معلی رضی اللہ عنہم) میں نماز پڑھ رہا تھا۔ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا۔ میں لبیک کہہ سکا۔ جب نماز سے فارغ ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا۔ تمہیں میرے پاس آنے میں کیا چیز مانع ہوئی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کہا تم نے قرآن شریف میں خداوند عالم کا یہ ارشاد نہیں پڑھا

یاایہا الذین آمنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم

حکم مانو اللہ اور رسول کا جس وقت بلاوے تم کو اس کام کی طرف جس میں تمہاری زندگی ہے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اس سے پیشتر کہ تم مسجد سے باہر نکلو میں تمہیں ضرور بالضرور قرآن پاک کی سب سے بڑی پر عظمت سورۃ کی تعلیم دوں گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا۔ پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے باہر تشریف لیجانے لگے تو میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ۔ حضور نے ارشاد فرمایا تھا" میں تمہیں قرآن پاک کی عظیم الشان سورت بتاؤنگا" حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہاں بیشک ـــ الحمد للہ رب العلمین جو مجھے خاص طور پر عطا کی گئی ہے۔ وہ سبع مثانی ہے۔ اور قرآن عظیم ہے۔

(بخاری شریف۔ ابوداؤد شریف۔ نسائی شریف۔ ابن ماجہ ان سب حضرات نے اس روایت کو حضرت ابوسعید بن المعلی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ لیکن واقدی نے حضرت ابوسعید بن المعلی کی بروایت حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ) نقل کیا ہے۔ اس موقعہ پر امام مالک رح کی موطا میں ایک ایسی صورت سند کے متعلق پیش آگئی ہے جس پر متنبہ کرنا ضروری ہے۔ موطا امام مالک میں ابوسعید بن معلی کے بجائے ابوسعید مولیٰ ابن عامر بن کریز بیان کیا ہے۔ یہاں یہ تنبیہ کرنی ہے کہ یہ ابوسعید وہ نہیں جن کا ذکر بخاری وغیرہ کی سند میں گزرا۔ جیساکہ ابن اثیر اور انکے اتباع کا خیال ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ابوسعید بن المعلی صحابی ہیں اور انصاری اور ابوسعید مولی عامر تابعی ہیں۔ اور قبیلہ بنی خزاعہ کے آزاد کردہ غلاموں میں سے ہیں۔ نیز پہلی حدیث متصل السند ہے اور دوسری حدیث کی سند کے متعلق یہ ظاہر ہے کہ ابوسعید کو اگر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے حدیث سننے کا موقعہ ملا ہوگا تب تو مسلم کی شرط پر متصل ہو گی۔ لیکن اگر ابوسعید کو حضرت ابی رضی سے حدیث سننے کا موقعہ نہیں ملا تو لامحالہ یہ حدیث منقطع ہو گی۔ علاوہ ازیں اس حدیث کو دوسری سندوں سے امام احمد رض وغیرہ نے بھی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ جس میں ابوسعید رض کا واسطہ نہیں ہے۔ اس سے صاف ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو واقعات علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ایک ابوسعید بن المعلی کا دوسرا حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا)

پہلی حدیث بروایت امام مالک رح۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی۔ ابی بن کعب! حضرت ابی بن کعب مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ جب فارغ ہوئے، حاضر خدمت ہوئے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک میرے ہاتھ پر رکھا۔ اور آپ مسجد کے دروازے سے باہر تشریف لے جانا چاہ رہے تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "مجھے امید ہے کہ تم مسجد سے اس وقت تک نہیں نکلو گے جب تک کہ تم ایک ایسی سورت نہ سیکھ لو۔ جس کی نظیر نہ تو توراۃ میں نازل ہوئی نہ انجیل میں اور نہ قرآن پاک میں۔

حضرت ابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں اسی امید پر آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کونسی سورت ہے جس کا جناب نے وعدہ فرمایا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جب تم نماز شروع کیا کرتے ہو تو کیا پڑھا کرتے ہو۔ حضرت ابی بن کعب رضؓ ـــــ میں نے سورہ فاتحہ تمام پڑھ دی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہی سورت ہے۔ یہی سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے جو مجھ کو عطا ہوئے۔

دوسری حدیث بروایت امام احمد بن حنبل رحؒ

حضرت ابو ہریرہ رضؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے۔ حضرت ابی نماز پڑھ رہے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی یا اُبَیّ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے کسی قدر التفات کیا مگر جواب نہیں دیا۔ پھر حضور نے پکارا یا اُبَیّ۔ تب حضرت ابی کعب رضی اللہ جلدی جلدی نماز ختم کرکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا السّلام علیك یا رسول اللہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ـ وعلیك السّلام ـــ آپ کو جواب دینے سے کیا مانع پیش آیا؟

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ـــ یا رسول اللہ۔ میں نماز پڑھ رہا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ـــ وہ وحی جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے کیا اس میں یہ آیت تم نے نہیں پڑھی۔ استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم

حضرت ابی بن کعب ـــ ضرور پڑھی ہے۔ یا رسول اللہ آئندہ ایسا نہ ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں وہ سورت بتاؤں کہ جس کی نظیر نہ توراۃ

ہیں نازل ہوئی نہ انجیل میں نہ زبور میں اور نہ فرقان میں۔

حضرت ابی رضہ۔ ضرور یا رسول اللہ ــــ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے امید ہے کہ اس دروازہ کے نکلنے سے پیشتر تم اس سورت کو معلوم کر لوگے۔

حضرت ابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھ سے باتیں کرنے لگے۔ میں آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ اس خوف سے کہ کہیں بات ختم ہونے سے پیشتر حضور صلی اللہ علیہ وسلم دروازہ سے باہر نہ ہو جائیں ــــ پھر جب ہم دروازہ کے قریب پہنچے تو میں نے عرض کیا۔

یا رسول اللہ۔ وہ کونسی سورت ہے جس کا حضور نے وعدہ فرمایا تھا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ تم نماز میں کیا پڑھا کرتے ہو؟

حضرت ابی۔ میں نے آپ کو سورۂ فاتحہ سنادی۔

تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اُس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اس کی نظیر نہ توریت میں نازل ہوئی نہ انجیل میں نہ زبور میں اور نہ فرقان میں۔ یہی سبع مثانی ہے۔

ترمذی کی روایت میں یہ بھی ہے ؛۔ "یہ سبع مثانی ہے اور قرآن عظیم ہے جو حضرت مجھی کو عطا کیا گیا ہے"

تاریخ عالم

سیّدنا آدم علیہ السلام دنیا میں

(محمد میاں عفی عنہ)

یوم پیدائش عہ (یعنی جس روز کالبد خاکی کو انسانی شکل مرحمت ہوئی) جمعہ

دنیا میں آنے کا دن (یعنی جس روز جنت صہ سے خارج کرکے دنیا میں بھیجا گیا) جمعہ

حضرت آدم علیہ السلام کا حلیہ رنگ گندم گوں سہ - آنکھیں سرگیں صہ - بال گھونگر بالے - گھنے اور لانبے - ایسے حسین اور خوبصورت کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے سوا اور کسی کو آپ کی اولاد میں ایسا حسن نہیں عنایت کیا گیا - صہ

عہ صحیح مسلم شریف میں ہے - ان تمام ایام میں کہ آفتاب طلوع کرتا ہے سب سے بہتر دن جمعہ ہے اسی دن میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے - اسی دن جنت میں داخل کئے گئے - اسی دن جنت سے نکالے گئے اور اسی دن قیامت ہوگی - (صحیح مسلم شریف اور مسند احمد وغیرہ بحوالہ تاریخ ابن کثیر ص۸۶ ج۱) اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی وفات ہوئی طبقات ابن سعد ص۹ ج۱ (فائدہ) پیدائش انسانی کا جو مقصد ہے جونکہ جنت میں جانا - جنت سے خارج ہونا اور قیامت وغیرہ اس کے درمیانی مراحل مقرر کئے گئے ہیں لہٰذا ان چیزوں کے وقوع کے دن کو بہتر اور اشرف کیا گیا - واللہ اعلم محمد میاں

صہ جنت کے لغوی معنی باغ ہیں - علماء کا اختلاف ہے کہ جنت جس میں آدم علیہ السلام کو رکھا گیا تھا وہ وہی جنت ہے جس کا تذکرہ شرعیات میں کیا جاتا ہے - یعنی جو نیک بندوں کو بطور جزا عنایت فرمائی جائیگی یا کوئی اور جنت ہے - حافظ ابن کثیر نے چار قول نقل فرمائے ہیں (۱) جمہور علماء کا قول یہی ہے کہ جنت سے مراد وہی جنت ہے جو اہل ایمان کو بطور جزا کے مرحمت ہوگی (۲) یہ ایک مخصوص باغیچہ تھا - جو آسمانوں پر ہے - حضرت آدم علیہ السلام اور حوا کو اس میں رکھا گیا تھا - حضرت ابی بن کعب - حضرت عبداللہ بن عباس - حضرت وہب بن منبہ - حضرت سفیان بن عیینہ وغیرہ سے بھی قول نقل کیا گیا ہے - امام ابو حنیفہ اور صاحبین سے بھی ایک روایت یہی ہے - (تاریخ ابن کثیر ص۷۶ ج۱) (۳) یہ مخصوص باغیچہ زمین پر تھا (ابن یحییٰ وغیرہ) (۴) توقف کرنا چاہیئے - کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہیئے (تاریخ ابن کثیر ص۷۵ ج۱) -

سہ طبقات ابن سعد ص۱ ج۱ - للعہ طبقات ابن سعد ص۱۱ ج۱ صہ طبقات ابن سعد ص۱۲ ج۱ بدلیل ارشاد ربانی ۴۴

۴۴ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ساٹھ[۶۰] ہاتھ لانبا پیدا کیا۔ پھر حکم فرمایا۔ کہ آدم فرشتوں کے اس مجمع کے پاس جاؤ اور اُن کو سلام کرو۔ اور سنو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کے پاس پہنچکر فرمایا السلام علیکم۔ فرشتوں نے جواب دیا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں جانے والوں کا قد یہی ہوگا۔ یعنی ۶۰ ہاتھ لانبا۔ پھر بلاد[ع] آدم کا قد گھٹتا رہا۔ (بخاری شریف وغیرہ) آدم علیہ السلام کا عرض سات ہاتھ[عه] تھا۔ مسند امام احمد حنبل) کھجور کے تنے کی طرح چھریرہ اور لانبا قد۔ سر پر لانبے لانبے گھونگریالے گھنے بال۔ طبقات ابن سعد ص ۱۰۹ ج ۱

فرودگاہ | آدم علیہ السلام کو کس جگہ اُتارا گیا۔ اس میں مختلف اقوال ہیں۔ جن کی تفصیل بحوالہ تاریخ ابن کثیر ص ۸۰ ج ۱ ذیل میں درج ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ۔ حضرت آدم علیہ السلام کو دَحْنَاء میں اتارا گیا۔ یہ مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے (حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ) حضرت آدم علیہ السلام کو ہندوستان میں حضرت حواء کو جدہ میں۔ ابلیس کو دستیمسان میں (جو بصرہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے) سانپ کو اصبہان میں اتارا گیا۔

حضرت سُدی رحمۃ اللہ (جلیل القدر مفسر ہیں) حضرت آدم علیہ السلام کو ہندوستان میں اتارا گیا اور اُن کے ساتھ حجر اسود بھی تھا۔ جو برف کی سل سے بھی زیادہ چمکیلا اور سفید تھا۔ اور مٹھی بھر جنتی درختوں کے پتے تھے۔ اُن پتوں کو سرزمین ہند میں بکھیر دیا۔ جن سے خوشبودار درخت اور پودے پیدا ہوئے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما — حضرت آدم علیہ السلام کو صفا پر اور حضرت حواء کو مروہ پر

عه ایک ہاتھ عموماً انسان کی لمبائی کا ایک چوتھائی ہوتا ہے۔ اب اگر ہاتھ یا ساٹھ ہاتھ سے مراد موجودہ زمانہ کے ہاتھ کی لمبائی ہو تو آدم علیہ السلام کا قد تقریباً تیس گز ہوگا۔ ورنہ قامت آدم علیہ السلام کی مقدار بتانی مشکل ہے۔ مگر بظاہر ہاتھ سے مراد وہی ہے جس کو عرفاً ذراع یا ہاتھ کہا جاتا ہے کیونکہ محاورات عربیہ میں ذراع سے یہی مراد ہوتی ہے۔ اس کے متعلق کچھ اشارات پہلے بھی عرض کئے جاچکے ہیں۔ واللہ اعلم۔ محمد میاں عفی عنہ

عه تاریخ ابن کثیر ص ۹۸ ج ۱

صفا اور مروہ مکہ معظمہ کے قریب دو پہاڑیاں ہیں۔ دوران حج میں ان کا طواف کیا جاتا ہے۔ ابن کثیر ص۴۴ ج۱

حضرت ابن عباس سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ہندوستان کے ایک پہاڑ پر جس کا نام "نوذ" تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اُتارا گیا اور حضرت حوا کو جدہ میں اتارا گیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت کے کچھ پھول اور خوشبو بھی تھی۔ جس کو سرزمین ہندوستان نے اپنے اندر فوراً ہی جذب کر لیا۔ یہی سبب ہے کہ پھلدار اور خوشبودار درخت ہندوستان میں بکثرت پائے جاتے ہیں

حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ کون کون سی چیزیں نازل کی گئیں۔

حضرت حوا[۱] - شیطان[۲] - سانپ[۳] - حجر اسود[۴] - جنتی[۵] درختوں کی پتیاں یا پھولوں کی پنکھڑیاں

وہ لاٹھی[۶] جو جنت کے درخت آس[۷] کی تھی - اس کا طول ۱۲ ہاتھ تھا یہی لاٹھی ہے جو سلسلہ بسلسلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچی - اور یہی لاٹھی تھی جو اظہار معجزہ کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا اور التجا کے بموجب اژدہا بن جاتی تھی۔

طبقات ابن سعد ص۱۳

موسیٰ علیہ السلام کا قد بھی ۱۲ ہاتھ لانبا تھا - مُر[۸] یعنی بیلچہ - کدال - لبان[۹] - کندر یا صنوبر علاۃ[۱۰] یعنی سندان - مطرقہ[۱۱] یعنی ہتوڑا - گھن - کلبتان[۱۲] یعنی سنڈاسی ہے

انقلاب

(از مولانا محمد سلیمان صاحب آسی القاسمی (بہاری))

کرو تم انقلاب ایسا کہ یہ دنیا پلٹ جائے ۔ غریبوں کے گلے سے ریسمانِ ظلم کٹ جائے

سنو اے ضیغمِ ملت، ذرا لو کام غیرت سے ۔ نہیں ہے شانِ اسلامی بڑھے اور بڑھ کے گھٹ جائے

نئی تہذیب کو تم جھونک دو نارِ جہنم میں ۔ کہ اس الحاد و دہریت کی طغیانی سمٹ جائے

اگر تم تھام لو قوت سے دامن دینِ برحق کا ۔ بلا سے نئی تہذیب کا تختہ الٹ جائے

بڑی بے غیرتی ہی نام تم بدنام کرتے ہو ۔ تمہارے سامنے باطل کی یہ جرأت کہ ڈٹ جائے

جوانو نعرۂ تکبیر کہہ کر اس طرح نکلو ۔ کہ نصرانی کا دل تھرائے، پاپا سے لپٹ جائے

چلو تم وار کرتے تیغِ جوہر دار کا اپنی ۔ نہ جب تک وارِ حق سے تیغِ باطل کی اچٹ جائے

قسم ہے غیرتِ ملت کی تم کو دم نہ لو ہرگز ۔ نہ جب تک سطحِ دیں سے کفر کی کائی پھٹ جائے

طلب حق کی بغاوت ہے تو بے خوف و خطر آسی
بڑھو کہتے ہوئے "باغی ہیں" سر کٹتا ہی کٹ جائے

فلسفۂ ایمان

رمضان شریف۔ شب قدر۔ اعتکاف

(از مولینا محمد میاں صاحب قائد التحریر)

تمہید انسان کیا ہے؟ اس کا جواب نہایت آسان اور ظاہر ہوتے ہوئے انتہا درجہ پوشیدہ اور حد سے زیادہ مبہم ہے۔ چنانچہ عربی شاعر ابو العلا معری نے کہا تھا۔

شعر
والذی حارت البریہ فیہ — جس کی حقیقت میں ساری مخلوقات سرگرداں ہے
حیوان مستحدث من جماد — وہ ایک جاندار ہے جو جماد یعنی مٹی وغیرہ سے پیدا کیا گیا

تاہم علماء اور حکماء نے اس سوال کا جواب دیا ہے — منطقی صاحبان فرماتے ہیں کہ انسان حیوان ناطق ہے۔ یعنی ایسا جاندار جو بدیہات سے نظریات کو پہچان سکے امور متعارفہ سے غیر معلوم امور کو دریافت کر سکے۔

اسی طرح اطبا، فلاسفہ، وغیرہ نے اپنے اپنے مذاق کے بموجب مختلف عبارتوں سے اس سوال کا جواب دیا ہے۔ اور یاد ش بخیر مسٹر ڈارون کا خیال یہ ہے کہ انسان درحقیقت بندر تھا۔ جو ترقی کرتے کرتے اس حد تک پہنچ گیا۔ ارتقائی مدارج نے اس کی دم غائب کر دی اور اس کے قد کو سیدھا کر دیا۔ جدید فلاسفہ کی تحقیق ہے کہ انسان ابتدا میں ایک کیڑا ہوتا ہے جو نشوونما پاتے پاتے انسان بن جاتا ہے مگر علماء تصوف و سلوک کا جواب سب سے زیادہ دلچسپ اور کارآمد ہے۔ علماء حقیقت فرماتے ہیں کہ یہ ایسی مخلوق ہے جس میں جانوروں کی خواہشات اور فرشتوں کے ملکات کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ علماء سلوک کا یہ جواب اُن کے مخصوص مذاق کا آئینہ دار ہے۔ علماء سلوک اور تصوف کا کام یہی ہے کہ وہ رذیل اور کمینہ اخلاق سے روح کو پاک و صاف کریں اور اعلیٰ اخلاق بلند ترین خصائل کو اس طرح فطرت انسانی کے ساتھ پیوست کر دیں کہ وہ طبیعت ثانیہ بن جائیں۔

جانوروں کی خواہشات کے لئے اصطلاحی لفظ بہیمیت ہے۔ اور فرشتوں کے ملکات کو ملکوتی صفات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس حقیقت کی دوسری تعبیر یہ بھی ہے کہ انسان ایک ایسی مخلوق ہے جس کو خیر اور شر سے مرکب کیا گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ ہم اصلاح اور تزکیہ نفس کا اونچا مقصد سامنے رکھ کر انسان پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو ہم ابتداء میں نوزائیدہ بچہ کو اس طرح بے حس اور عقل و شعور سے خالی پاتے ہیں جس طرح اور حیوانات کے بچے۔ اُن کے تمام احساسات اور تخیلات کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ بھوک لگے تو رو دیں۔ پیٹ بھر جائے تو سو جائیں۔ لیکن پھر نشو و نما کے ساتھ ساتھ فہم اور شعور کا بھی نشو و نمو ہوتا چلتا ہے۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ بعد اُس کے علم و ادراک کی ایک مخصوص کیفیت جانوروں کے بچوں سے اُسکو ممتاز کر دیتی ہے۔ یہاں سے منطقی تعریف کا آغاز ہوتا ہے۔ کہ وہ ایک ایسا جاندار ہے جس میں ادراک کی قوت ہو۔ لیکن وہ قوت ادراک پا لینے کے بعد بھی اپنی خواہشات میں جانوروں سے کچھ ممتاز نہیں ہوتا۔ کھانے پینے کی طرف میلان۔ دنیا کی طمع اور حرص۔ مرضی کے برخلاف پر غیظ و غضب۔ اور پھر تکبر اور خود پسندی۔ اور اسی طرح نفسانی خواہشات وغیرہ وغیرہ۔ وہ شیر، بھیڑیے، بکرے اور بندروں جیسا ہوتا ہے۔ ان ہی میلانات اور اوصاف کا نام بہیمیت ہے۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس بہیمیت اور حیوانیت کے دور میں ایک لطیف استعداد اس کے اندر ضرور ہوتی ہے۔ جس کو اگر بروئے کار لایا جائے تو وہ پکا خدا پرست۔ پرہیزگار۔ رحمدل۔ دنیا سے بے نیاز۔ خدا کی مرضی پر راضی اور جان نثار۔ حلیم اور بردبار ہو سکتا ہے۔ یہ لطیف استعداد اگرچہ اُسکی فطرت کا جز ہوتی ہے۔ مگر اس کا ظہور دس بارہ سال کی عمر سے پہلے عموماً نہیں ہوتا۔ شریعت غرا نے اس لطیف استعداد پر احکام کی تکلیف کو موقوف رکھا ہے۔ اور سن بلوغ کو اُس استعداد کے لئے ایک معیار قرار دیا ہے۔

بہرحال یہ حسی مشاہدہ صوفیاء کرام اور علماء حقیقت کی تصدیق کرتا ہے۔ کہ انسان بہیمیت اور ملکوتی صفات سے مرکب ہے۔

قرآن پاک کی متعدد آیتیں اس حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک اور چیز کی تعلیم دیتی ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ انسان کو اگرچہ خیر و شر۔ بہیمیت اور ملکوتیت سے مرکب کیا گیا ہے۔ مگر مرضی الٰہی یہ ہے کہ وہ بہیمی صفات کو چھوڑ کر ملکوتی صفات اپنے اندر پیدا کرے۔ اور بارگاہ رب العزت میں اعلیٰ تقرب حاصل کرے۔

ارشاد ہوتا ہے:۔

انا عرضنا الامانة علی السمٰوات والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا وحملھا الانسان انہ کان ظلوما جھولا

ہم نے آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں کے سامنے امانت پیش کی۔ مگر ان سب نے اس کے برداشت کرنے سے انکار کیا اور اس سے خوف کھایا۔ انسان نے اُسکو برداشت کر لیا کیونکہ وہ ظلوم وجہول تھا

یعنی زمین، آسمان، پہاڑ نہ بہیمی صفات رکھتے ہیں اور نہ ملکوتی صفات کی اُن کے اندر صلاحیت ہے، انسان میں بہیمی صفات فطری طور پر موجود ہیں۔ اور ملکوتی صفات بھی اسکی فطرت میں ودیعت فرمائی گئی ہیں، تو اُس کو یہ امانت عطا فرمائی گئی تاکہ وہ صفات خبیثہ سے پاک ہو کر ملکوتی صفات حاصل کرلے۔ ظلوم کے بجائے عادل ہو۔ جاہل کے بجائے عالم بنے۔

سورہ والتین میں خداوند عالم نے چند چیزوں کی قسمیں کھا کر ارشاد فرمایا ہے۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ۝ ثم رددناہ اسفل سافلین ۝ الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات فلھم اجر غیر ممنون

انسان کو ہم نے بہت ہی بہتر وضع عنایت فرمائی۔ پھر ہم نے اُس کو سب سے نیچے کے درجہ میں دھکیل دیا۔ مگر صرف وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کئے اُنکے لئے ایسا اجر ہے جس پر کوئی احسان نہیں جتایا جائیگا۔

یعنی انسان جس میں بہترین صلاحیت اور لطیف تر استعداد ودیعت کی گئی ہے۔ اس کی اصل فطرت بیشک بہترین وضع پر ہوئی ہے۔ اب اگر اس لطیف استعداد کو بیکار چھوڑ کر بہیمی صفات کا گرویدہ بنتا ہے۔ طمع، حرص، غضب، نفسانی شہوات کا دلدادہ رہتا ہے تو اس کو سب سے نیچے کے درجہ میں ڈالا جائے گا کیونکہ اُس نے فطرت کی بہت بڑی نعمت کو قطعاً لغو اور بیکار کر دیا۔ لیکن اگر وہ اُس نعمت کبریٰ سے بہرہ اندوز ہو کر ایمان اور عمل صالح پر کاربند ہوتا ہے۔ تو اس کے لئے خداوند عالم کے ہاں بڑے بڑے اجر اور مراتب ہیں۔ واللہ اعلم۔

فلسفۂ رمضان | اس تمہید کے بعد ہم حجۃ الاسلام سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی تقریر[عہ] سے امداد لیتے ہوئے رمضان۔ روزہ۔ اعتکاف اور شب قدر کا فلسفہ بیان کرتے ہیں۔ واللہ الموفق وھو المعین۔

عہ ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ ص ۴۷ مطبوعہ مصر

اور مضمون ہذا کے ساتھ اگر اُن تمثیلات کو بھی ملا لیا جائے جو شعبان کے نمبر میں شب برات اور روزہ شعبان کے سلسلہ میں عرض کی گئی تھیں تو ناظرین کرام کا حظ دوبالا ہو جائے گا۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ نفسانی اور حیوانی شہوات کا مدار خورونوش پر ہے۔ کھانے پینے میں بے اعتدالی ہو تو ان بہیمی صفات میں زیادتی ہو جاتی ہے۔

روزہ کا مقصد یہی ہے کہ بہیمی صفات کو کمزور کرنے، ملکوتی صفات کو قوت پہنچانے کے لئے کھانا۔ پینا۔ جماع وغیرہ چھوڑ دے۔ قلب کو غیر اللہ کے تصورات سے پاک کرے۔ حسد بغض۔ کینہ۔ عداوت وغیرہ صفات خبیثہ سے صاف کرلے۔ زبان کو غیبت۔ چغلی، دشنام بیہودہ مذاق۔ جھوٹ وغیرہ سے محفوظ رکھے۔ آنکھ کو نظر بد سے، اعضا کو افعال ممنوعہ سے روکے۔ یہ ہے روزہ کی روح

امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔ روزہ کی تین قسمیں ہیں

(۱) عوام کا روزہ یعنی کھانا پینا اور جماع ترک کردینا۔

(۲) خواص کا روزہ۔ یعنی حواس اور اعضا کو خواہشات سے روک کر ایسے جائز افعال سے بھی اجتناب کیا جائے جن سے نفس کو کسی قسم کی مسرت یا لذت حاصل ہو۔

(۳) اخص الخواص کا روزہ۔ یعنی ماسوا خدا تمام چیزوں سے اجتناب اور احتراز کرکے صرف حضرت حق جل مجدہٗ کے مراقبہ اور اسی کے تصور اور دھیان میں مستغرق رہا جائے

فضائل روزہ سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں۔ روزہ ایک بہت بڑی نیکی ہے۔ جو ملکوتی صفات کو قوی کرتا ہے۔ اور بہیمی صفات کو کمزور کرتا ہے۔ روح کو صیقل اور صاف کرنے میں اور بہیمی طبیعت کو مقہور اور مغلوب کرنے میں روزے کی برابر کوئی نیکی نہیں۔

اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ یعنی عام قاعدہ تو یہ ہے کہ ایک نیکی کا ثواب علی حسب مراتب تفاوت نیت وغیرہ دس گنے سے لیکر سات سو گنے تک ملتا ہے۔ چنانچہ فرشتے اسی قاعدہ کے بموجب نامۂ اعمال میں ثواب لکھتے ہیں۔ مگر روزہ اس عام قاعدہ سے مستثنےٰ ہے۔ اور اس کا تعلق مخصوص طور پر میرے ساتھ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کا بدلہ بھی مخصوص طور پر میں ہی مرحمت کروں گا۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب روزہ کی اصل اور روح یہ قرار دی گئی کہ بہیمی اور

ناپاک صفات کو کمزور کیا جائے تو جس قدر یہ صفات کمزور ہوتی رہیں گی اتنی ہی روح میں صفائی پیدا ہوتی رہے گی۔ گناہوں کا کفارہ ہوتا رہیگا۔ ملکوتی صفات میں قوت بڑھتی رہیگی۔ ملائکہ سے خاص قرب حاصل ہوتا رہیگا۔ اور فرشتوں کی نگاہ میں وہ محبوب اور عزیز بنتا رہیگا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لخلوف فم الصائم اطيب عند الله من ريح المسك

یقیناً روزہ دار کے منہ کی بو خدا کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ اچھی مانی جاتی ہے۔

کیوں نہ ہو۔ یہ اثر ہے اُس فاقہ اور اُس نفس کشی کا جو اللہ کے لئے ہے۔ جو روح کے زنگ کو دور کرتا ہے۔ ملائکہ سے مشابہت پیدا کرتا ہے۔ شاہ صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص روزہ کو عادت بنالیتا ہے تو عادات خبیثہ کے مہلک خطرات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

فضائل رمضان شریف

ماہ شعبان کی اشاعت میں عرض کیا گیا تھا کہ روحانی عالم اور ملاءِ اعلیٰ کے لئے بھی فصل بہار اور موسم گل ہوتا ہے۔ چنانچہ رمضان شریف کا مہینہ عالم بالا کے لئے فصل گل ہے۔ روحانی ملکات سرسبز ہوتے ہیں۔ باغیچہائے رحمت میں تازگی آتی ہے۔ جنتوں کے دروازے کھولدئے جاتے ہیں۔ اور عالم اسفل پر مخصوص انوار اور برکات کی بارش ہوتی ہے۔

فضائل رمضان کے متعلق اگر تمام احادیث کو جمع کیا جائے تو بہت زیادہ طول ہو جائیگا۔ رسالہ کے اوراق اس کے لئے متحمل نہیں۔ یہاں ہم اس سلسلہ میں صرف دو حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

پہلی حدیث۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری امت کو رمضان شریف میں پانچ چیزیں مرحمت ہوتی ہیں۔ جو دنیا میں کسی کی امت کو نہیں عطا کی گئیں (۱) رمضان کی پہلی شب میں خداوند عالم نظر لطف فرماتا ہے۔ اور جس پر خداوند عالم نظر لطف فرمائے اُس کو کبھی عذاب نہ دیگا۔ (خداوندا ہمیں نظر لطف کا اہل کردے آمین۔ محمد میاں) (۲) روزہ داروں کے منہ کی بو خدا کے ہاں مشک کی خوشبو سے زیادہ اچھی مانی جاتی ہے۔ (۳) فرشتے میری امت کے لئے رات دن مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ (۴) خداوند عالم جنت کو حکم فرماتے ہیں کہ تو مزین ہو جا بہت ممکن ہے کہ میرے کچھ بندے دنیا کی مصیبت سے نجات پا کر تیرے اندر میری نوازش سے بہرہ اندوز ہوں

دوسری حدیثوں میں یہ بھی آتا ہے کہ جب رمضان آتا ہے تو جنتوں کے دروازے کھولدئے

جلتے ہیں دوزخوں کے دروازے بند کردے جاتے ہیں۔ اور بڑے بڑے شیاطین کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے (بخاری و مسلم وغیرہ) (۵) جب آخری شب ہوتی ہے تو تمام روزہ داروں کو بخشدیا جاتا ہے۔ (یعنی جنہوں نے روزے کے آداب کا پورا پورا لحاظ کیا تھا) کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا وہ شب قدر ہوتی ہے۔ فرمایا نہیں۔ لیکن قاعدہ یہی ہے کہ مزدور کو مزدوری کام کے ختم پر دی جاتی ہے۔ (ترغیب ترہیب صلہ)

دوسری حدیث۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ شعبان کے آخری دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریر فرمائی۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ مسلمانو مبارک اور باعظمت مہینہ آگیا۔ جس میں ایک رات وہ ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ خدا نے اس مہینہ کے روزے فرض کئے ہیں اور شب بیداری کو نفل قرار دیا ہے۔ اس مہینہ میں نفلی کام فرض کی برابر ثواب رکھتے ہیں۔ اور اس ماہ میں ایک فرض کا ثواب ستر گنا ملتا ہے۔ یہ صبر کا مہینہ ہے (یعنی ہر نفسانی خواہش کو چھوڑ کر صبر کرنا اس مہینہ کی خصوصیت ہے) اور صبر کا ثواب جنت ہے۔ وہ باہمی ہمدردی کا مہینہ ہے۔ وہ مہینہ ہے جس میں مومن کے رزق میں زیادتی کی جاتی ہے۔ جو شخص کسی روزہ دار کو افطار کرائیگا تو اُس کے گناہوں کی بخشش ہوگی۔ اُس کی گردن آگ سے نجات پائیگی۔ اور جس طرح روزہ دار کو روزہ کا ثواب ملیگا اسی کی برابر افطار کرانے والے کو بھی ثواب ملیگا۔ بدون اس کے کہ اس کے ثواب میں کمی واقع ہو (بہتر یہ ہے کہ دوسرے کی افطاری سے روزہ افطار کرے۔ تاکہ اسکو دوگنا ثواب مل جائے۔ اور اپنا ثواب بدستور قایم رہے)

صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارے اندر اتنی وسعت کہاں ہے کہ دوسروں کی دعوت کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خداوند عالم یہی ثواب مرحمت فرماتا ہے اس شخص کو بھی جو چھوارے سے یا پانی کے گھونٹ سے یا تھوڑے سے دودھ سے کسی کا روزہ افطار کرا دے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس کے اول میں رحمت ہوتی ہے۔ وسط میں گناہوں کی بخشش اور آخر میں آتش جہنم سے نجات۔ جو شخص اپنے غلام کے کام میں تخفیف کردے تو خداوند عالم اُس کے گناہ بخش دیتا ہے اُسکو دوزخ سے نجات دیتا ہے۔ اس مہینہ میں چار باتیں کثرت سے کرو۔

(۱) اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا رسول الله کا ورد رکھو۔

(۲) استغفار زیادہ پڑھو۔ (۳) خداوند عالم سے جنت کی دعا مانگتے رہو۔ (۴) دوزخ سے پناہ مانگتے رہو (ترغیب ترہیب ص ۲۰۲)

اعتکاف اس مبارک ماہ کی برکات کو زائد سے زائد حاصل کرنیکے لئے مسنون ہے کہ آخری عشرہ میں اعتکاف کرے۔ بیسویں روزہ افطار کرکے اعتکاف میں داخل ہو اور چاند دیکھنے پر اعتکاف سے فارغ ہو۔ اگر دس روز کا ممکن نہ ہو تو سات روز۔ پانچ روز۔ تین روز جس قدر ممکن ہو اور کم سے کم ایک روز۔ اعتکاف میں بیہودہ بکواس کرنی بھی منع ہے۔ نیز عبادتی طور پر خاموش ہو کر بیٹھنا بھی مکروہ ہے۔ ہر محلہ کی مسجد میں ایک شخص کو اعتکاف کرنا چاہئے۔ یہ سنت کفایہ ہے اگر ایک شخص نے اعتکاف کرلیا تو سب کی یہ سنت ادا ہو گئی۔ اگر موقع ہو تو جامع مسجد میں اعتکاف کرنا افضل ہے۔

شب قدر سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں۔ لیلۃ القدر دو ہیں۔ ایک تو وہ جس کے متعلق قرآن پاک میں ارشاد ہے فیہا یفرق کل امر حکیم۔ اس شب میں تمام کاموں کی تقسیم ہوتی ہے۔ یہی وہ شب ہے جس میں سارا قرآن کریم ایک دفعہ ہی لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف منتقل کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے انا انزلناہ فی لیلۃ القدر۔ ہم نے اسکو لیلۃ القدر میں نازل کیا۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ رات سال بھر میں آتی ہے۔ یہ ضرور نہیں کہ وہ رمضان ہی میں ہو۔ ہاں غالب گمان یہی ہے کہ رمضان شریف میں ہوتی ہے۔

دوسری شب ایک اور ہے اسکو بھی لیلۃ القدر کہا جاتا ہے۔ اس میں روحانیت کی شعاعیں منتشر ہوتی ہیں عالم اسفل کی طرف ملائک کا دورہ ہوتا ہے۔ اب اگر اس وقت مسلمان نماز پڑھتے ہیں تو ان میں ایکدوسرے کے انوار کا عکس پڑتا ہے اور ملائکہ سے خاص قرب حاصل ہو جاتا ہے۔ شیاطین دور ہٹ جاتے ہیں۔ دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

نیز احادیث میں ہے کہ فرشتے مصافحہ کرتے ہیں اور ترغیب و ترہیب میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے غیبی مصافحہ کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دل پر رقت طاری ہوتی ہے۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ یہ شب جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہے اکیسویں یا تیئسویں یا پچیسویں یا ستائیسویں یا انتیسویں ہوتی ہے

حضرت شاہ صاحب اپنی اس تحقیق پر علماء کے اختلاف کو اسطرح منطبق فرماتے ہیں کہ اگر لیلۃ القدر سے مقدم الذکر لیلۃ القدر مراد ہو تو بیشک اس کیلئے کوئی مہینہ معین نہیں نہ کوئی شب مقرر ہے اور اگر لیلۃ القدر سے دوسری لیلۃ القدر مراد ہے تو وہ رمضان شریف کے عشرۂ اخیر کی مذکورہ بالا تاریخوں میں ہوتی ہے

جو شخص شب قدر میں مذکورہ بالا کیفیت حاصل کرلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو مندرجہ ذیل دعا کی تلقین فرمائی ہے

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ

اے اللہ تو آمرزگار ہے۔ معافی تجھکو پسند ہے۔ پس مجھکو معاف فرما۔ والسلام　محمد میاں عفی عنہ

ہدایتِ کبریٰ

(از حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قادری [illegible])

(گذشتہ سے پیوستہ)

فارسلنا الیہا روحنا فتمثل لہا	ہم نے مریم کی طرف اپنا روح (فرشتہ) بھیجا [illegible]
بشراً سویا (سورۃ مریم)	[illegible] ایک پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا (مریم)
اذ قال ربک للملٰئکۃ انی خالق بشرا	جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا میں ایک انسان
من طین فاذا سویتہ ونفخت فیہ	مٹی کا بنانا ہوں پس جب میں اس کو ٹھیک بنا چکوں اور
من روحی فقعوا لہ ساجدین (ص)	اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑنا
ویسئلونک عن الروح قل الروح	اور آپ سے روح کے بارے میں دریافت کرتے ہیں
من امر ربی وما اوتیتم من العلم	کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تم کو تھوڑا
الا قلیلا (بنی اسرائیل)	ہی علم دیا گیا ہے (بنی اسرائیل)
رفیع الدرجات ذو العرش یلقی	وہ رفیع الدرجات ہے عرش کا مالک ہے وہ اپنے بندوں
الروح من امرہ علی من یشاء من	میں سے جس پر چاہتا ہے روح یعنی اپنا حکم بھیجتا ہے تاکہ
عبادہ لینذر یوم التلاق (المومن)	وہ اجتماع کے دن سے ڈرائے۔ (المومن)
وکذلک اوحینا الیک روحا من امرنا	اور اسی طرح ہم نے آپ کے پاس روح یعنی اپنا حکم
ما کنت تدری ما الکتاب ولا	بھیجا ہے آپ کو نہ کتاب کی خبر تھی اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان
الایمان (الشوریٰ)	(کامل) کیا چیز ہے۔
ینزل الملٰئکۃ بالروح من امرہ علی	وہ فرشتوں کو وحی یعنی اپنا حکم دے کر جس بندہ پر چاہے
من یشاء من عبادہ ان انذروا	ہی نازل کرتا ہے کہ خبردار کر دو۔ کوئی معبود
انہ لا الٰہ الا انا فاتقون (النحل)	میرے سوا نہیں۔ پس مجھ سے ڈرو (النحل)

رب العلمین کی طرف سے ہر مخلوق کو حسب استعداد ہدایت ہوئی ہے۔ اور اسی لئے انسان بھی "ہدایت کبریٰ" وحی سے نوازا گیا ہے۔

پھر رب العزت نے تکوین وجود کے چار مرتبے تخلیق ۔ تسویہ ۔ تقدیر ۔ ہدایت بیان فرمائے ہیں اور ان میں آخری مرتبہ ہدایت کا وحی قرار دیا ہے ۔ گویا کارگاہ فطرت کا مقصد ایجاد اُس وقت تک ناتمام اور ناقص ہے جبتک کہ کسی مخفی ایماء و اشارہ کے ماتحت مفطور طور پر راہ عمل آسان نہ کی جائے ۔ اور "عالم امر" سے ہر مخلوق کے مناسب اُس میں روح حیات نہ پھونکی جائے ۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى الَّذِي خَلَقَ فَسَوّٰى وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدٰى (الاعلیٰ)

اپنے رب اعلیٰ کی تسبیح کیجئے جس نے بنایا پھر درست کیا اور جس نے اندازہ ٹھہرایا ۔ پھر ہدایت کی (الاعلیٰ)

مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ (عبس)

انسان کو کس چیز سے بنایا ؟ ایک قطرہ سے اسکو بنایا پھر ایک اندازہ پر اسکو رکھا ۔ پھر اسکے لئے راہ آسان کردی (عبس)

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ (النحل)

اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کو حکم دیا کہ "بنالے" پہاڑوں میں گھر اور درختوں میں اور جہاں ٹٹیاں باندھتے ہیں (النحل)

قَالَ رَبُّنَا الَّذِي اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (طٰہٰ)

موسیٰ نے کہا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اسکی صورت عطا کی پھر (حسب استعداد) ہدایت کی (طٰہٰ)

چنانچہ دیگر مواقع میں واضح طور پر انسان کے لئے وحی کو ہدایت سے تعبیر فرمایا ہے اور عالم انسانیت کی فوز و فلاح اور امن و سلام کا مدار اتباع ہدایت قرار دیا ہے ۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرہ)

اس کتاب میں کچھ شک نہیں ۔ متقین کے لئے ہدایت ہے (البقرہ)

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ (البقرہ)

ماہ رمضان ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا ۔ جو لوگوں کے واسطے ہدایت ہے ۔ (البقرہ)

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ (المائدہ)

بیشک ہم نے توراۃ کو اُتارا ۔ اس میں ہدایت اور نور ہے (المائدہ)

وَآتینا موسی الکتاب وجعلناہ ھدی لبنی اسرائیل (بنی اسرائیل) — اور ہم نے موسیٰ کو کتاب توراۃ دی اور اُس کو بنی اسرائیل کے لئے سرتا سر ہدایت بنایا۔

وآتیناہ الانجیل فیہ ھدی و نور (المائدہ) — اور ہم نے عیسیٰ کو انجیل دی اسمیں ہدایت اور نور ہے۔

خصوصاً ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو ارضی خلافت کے عطا کئے جانے اور جنت سے زمین پر اتارنے کے سلسلہ میں جس چیز کا پابند کیا گیا وہ صرف اتباع وحی تھا۔ کیونکہ توالد وتناسل کے بعد جن اختلافات کا غیر پسندیدہ طور پر ظہور پذیر ہونے والا تھا ان کا فیصلہ محض ہدایت وحی کے ذریعہ ممکن تھا مع ہذا دنیا میں نظام مطلوب قائم کرنے، معاشی وسعت پیدا کرنے بلکہ اُخروی بصیرت حاصل کرنے کے لئے جس تذکیر و ہدایت کی ضرورت تھی وہ تذکیر الٰہی و ہدایت وحی ہی ہو سکتی تھی۔

قلنا اھبطوا منھا جمیعاً فاما یاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (البقرہ) — ہم نے حکم دیا یہاں سے تم سب نیچے جاؤ۔ پھر اگر تمہارے پاس میری جانب سے ہدایت آئے سو جو بھی میری ہدایت کا اتباع کریگا تو اُنپر نہ خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (البقرہ)

قال اھبطا منھا جمیعاً فاما یاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلا یضل ولا یشقی ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا ونحشرہ یوم القیامۃ اعمی (طٰہٰ) — فرمایا تم دونوں (آدم وحوا) یہاں سے ایک ساتھ اترو پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے۔ پس جو میری ہدایت اختیار کریگا سو نہ گمراہ ہوگا۔ اور نہ مشقت میں پڑیگا اور جس نے میرے ذکر سے اعراض کیا تو اس کے لئے تنگی کی گزران ہے اور قیامت کو ہم اُسے اندھا اٹھائیں گے

(باقی دارد)

گذارش

مضمون نگار حضرات کی خدمت میں عرض ہے کہ مضمون کاغذ کے ایک طرف تحریر فرمایا کریں نیز حتی الامکان تحریر صاف ہو تاکہ بوقت کتابت غلطی نہ ہو۔

دفتر میں بعض ایسے شکایتی خطوط موصول ہوئے ہیں کہ رسالہ وصول نہیں ہوا۔ حالانکہ تمام خریداروں اور نمونہ طلب کرنے والے حضرات کو خاص اہتمام کے ساتھ رسالہ روانہ کیا جاتا ہے۔ اس کے لئے اپنے حلقہ کے پوسٹ مین یا ڈاک خانہ سے شکایت کرنا چاہیئے۔ (منیجر)

مکالمہ

وجود خالق (عزّ و جلّ) کی فلسفی دلیل

آج چند اعتراضات درج کئے جاتے ہیں۔ جوابات انشاء اللہ آیندہ شائع کئے جائیں گے لیکن اگر ناظرین کرام بھی جوابات تحریر فرمائیں تو اُن کو بھی شائع کیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ جوابات عالمانہ اور محققانہ ہوں۔ (محمد میاں قائد التحریر)

رفیق۔ اچھا آپ کی اس فطری دلیل کو میں تسلیم کرتا ہوں کہ مخلوق کے لئے خالق ضروری ہے۔ فعل فاعل کو چاہتا ہے۔ اور ہر پیدا شدہ چیز پیدا کرنے والے کو مگر یہاں چند باتیں ہیں۔ جن کا جواب دینا ضروری ہے۔

اول یہ کہ مادہ اور صورت درحقیقت دو چیزیں ہیں۔ جنکو آپ بھی تسلیم کریں گے۔ مثلاً لکڑی۔ اسکی صورت وہ ہے جو نظر آرہی ہے۔ اور اس کا مادہ کچھ اور ہے۔ جو اس صورت میں چھپا ہوا ہے۔

اگر لکڑی کو جلا دیا جائے تو اس کی صورت مٹ جائے گی۔ لیکن مادہ پھر بھی کوئلے یا راکھ کی شکل میں باقی رہے گا۔ اسی طرح آفتاب کی تیز تیز کرنوں نے یا آگ کی حرارت نے پانی کو بخارات کی شکل میں بدل دیا۔ بخارات ابر بنے اور ابر پھر پانی بن گیا۔ سمندر سے مان سون اُٹھا۔ مان سون نے بادل کی شکل اختیار کی بادل پانی کی شکل میں تحلیل ہو گئے۔ لیکن یہ سب کچھ تبدیلیاں صرف صورت سے متعلق ہیں۔ مادہ بدستور باقی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ہم نے کیا چیز پیدا ہوتے ہوئے دیکھی ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ ہم نے لکڑی کی صورت، درخت کی صورت۔ پانی کی صورت پیدا ہوتے ہوئے دیکھی ہے اصل مادہ پیدا ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ہمارے اس مشاہدہ سے صرف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صورتوں کے پیدا ہونے کے لئے پیدا کرنے والے یا علت کی ضرورت ہے۔ لیکن اصل مادہ کو بھی اس پر قیاس کیا جائے تو وہ محض ایک قیاس اور تخمین ہوگا۔

اب چونکہ کائنات یا عالم نام ہے مادہ کا اور مادہ کے مخلوق یعنی پیدا شدہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں لہٰذا عالم کے لئے کسی پیدا کرنے والے کا دعویٰ بھی دلیل سے خالی ہو گیا۔

(۲) علاوہ ازیں جب تحقیقات جدیدہ پر نظر کی جاتی ہے تو خدا کے ماننے کی ضرورت ہی نہیں معلوم ہوتی (معاذ اللہ) کیونکہ تحقیقات جدیدہ نے ثابت کر دیا ہے کہ موجودہ نظام عالم کے مرکب ہونے سے پہلے چھوٹے چھوٹے

اجزاء غیر متناہی فضا میں پھیلے ہوئے تھے۔ حرکت ان اجزا کی فطری خاصیت تھی۔ ان ہی اجزا کو اصطلاح میں ویمقراطیسی اجزا کہا جاتا ہے۔ جس طرح یہ ویمقراطیسی اجزا اپنی فطری خاصیت یعنی حرکت کے ساتھ قدیم تھے اسی طرح قوت بھی قدیم ہے۔ بظاہر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ حرکت کے ہوتے ہوئے یہ اجزا آپس میں کیسے مل گئے۔ لیکن جس طرح برابر کی قوت کے دو موٹر اگر آمنے سامنے سے ٹکرائیں تو متقابل قوتوں کے تعارض کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دونو موٹر ٹھہر جائیں گے۔ اسی طرح یہ اجزا بھی بسا اوقات باہمی جذب و دفع کے تصادم کے باعث ٹھہر جاتے ہیں۔ مگر فطری حرکت اب بھی دور نہیں ہوتی۔

بہر حال اصل میں صرف تین چیزیں ہیں۔ مادہ۔ قوت۔ حرکت۔ ان ہی کے باہمی ملجانے سے اشیاء کی خاصیتیں اور خاص خاص صورتیں پیدا ہوئیں۔ جو رفتہ رفتہ نئی نئی شکلیں اختیار کرتی رہیں۔ اسی تدریجی ارتقا کا نتیجہ یہ موجودہ نظام کائنات ہے جو ہمارے سامنے ہے۔

(۳) اور پھر چونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ عالم کا تمام سلسلہ ارتقائی اور تدریجی ہے۔ مثلاً سمندر پر آفتاب کی کرنیں پڑتی ہیں تو اس سے بخارات اٹھتے ہیں۔ وہ بخارات جب فضائے آسمانی کے سرد طبقہ میں پہنچتے ہیں تو بادل بن جاتے ہیں۔ اور پھر آفتاب کی تیز کرنیں ان کو پگھلا کر پانی بنا دیتی ہیں جو بارش بن کر برستا ہے۔

اسی طرح ڈارون کے مسئلہ ارتقا نے ثابت کر دیا ہے۔ تمام مخلوقات نہایت ادنیٰ درجہ سے ترقی کرتے کرتے موجودہ حالت پر پہنچی ہے۔ حتیٰ کہ خود انسان جو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے نہایت ادنیٰ درجہ کا جانور تھا۔ ترقی کرتے کرتے بندر کی حد تک پہنچا۔ اور پھر ایک زینہ طے کرکے آدمی بن گیا۔ لہذا کیا ضرورت پڑی ہر کہ ارتقاء ترقی کے اس محسوس مشاہدہ کے ہوتے ہوئے بھی خالق اور خدا مانا جائے۔ ورنہ پھر ماننا پڑے گا کہ خدا بھی معاذ اللہ ترقی کر رہا ہے۔

مثلاً کسی پہاڑ کے غار میں کوئی بوڑھا ہو جس کے پاس ایک کپڑا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ سو سال کے متواتر تجربوں اور غور و فکر کے بعد میں اس کپڑے کو تیار کر سکا ہوں تو ظاہر ہے کہ بوڑھے کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ سو سال پہلے بھی ان تمام تجربات سے واقف تھا۔ لہذا آج جو کچھ عالم میں ہے وہ ایک ہزار سال پہلے پست حالت میں تھا۔ تاریخ اس کی شاہد ہے۔ لیکن کیا ان تمام ترقیات کا سلسلہ ارتقائی نہیں؟ (ماخوذ از علم کلام مولانا شبلی صاحب بتغیر و تشریح)

سرزمین فلسطین میں آگ اور خون کی بارش

اور ہمارا فرض

سرزمین فلسطین یا یروشلم جزیرۃ العرب کا وہ مقدس ترین خطہ ہے جس کی شہادت آیات قرآنیہ اور روایات صحیحہ سے متعدد جگہ ملتی ہے۔ اسی میں بیت المقدس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے لیکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی دور تک قبلہ رہا ہے۔ ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۷ مہینہ تک بیت المقدس ہی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔ معراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی مسجد میں تشریف لائے تمام انبیاء علیہم السلام کو نماز پڑھائی۔ اور یہیں سے معراج ہوئی۔ قیامت کے دن مخلوق کا حشر اسی سرزمین میں ہوگا۔ اور اسی میں وادیِ طویٰ ہے جہاں پر موسیٰ علیہ السلام کو جوتے اتارنے کا حکم ملا تھا فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى۔ اسی سرزمین میں وہ مقدس پہاڑی بھی ہے جہاں موسیٰ علیہ السلام کو باری عز اسمہ نے اپنی تجلی دکھلائی تھی جس کا نام طور ہے۔ نیز بیشمار انبیاء علیہم السلام اسی سرزمین میں آج بھی مدفون ہیں غرضیکہ فلسطین بیشمار خصوصیات کا حامل ہے

فلسطین کی حالت ۱۹۲۰ء سے فلسطین کے باشندوں پر ۱۹۲۰ء سے برابر مصائب و آلام کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔ کون توڑ رہا ہے۔ وہی برطانیہ جس کی وفاداری میں فلسطین کے عربوں نے گذشتہ جنگ عظیم کے موقعہ پر مقدس ترک کے سینوں کو اپنی گولیوں سے چھلنی کیا تھا۔ اس امید پر کہ برطانیہ وحدت عرب کے پیش نظر تمام عربی ممالک میں عربی فیڈریشن کے قیام میں اُن کی امداد کرے گی۔ اور جس کے زیر سایہ رہنے کو ہندوستان کا مسلمان اپنے واسطے فخر سمجھتا ہے۔ جس کو ظل اللہ فی الارض کے مقدس خطاب سے یاد کرتا ہے (معاذ اللہ) جس کو مسلمان اپنا سہارا اور پشت پناہ سمجھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ خدا کا یہ مقدس سایہ اگر ہندوستان سے اُٹھ گیا تو مسلمان ہندوؤں کے پنجۂ استبداد میں جکڑ جائے گا۔ اور ہندو کا سب سے پہلا وار مسلمانوں کے مذہب پر ہی ہوگا۔

مذہب کی بربادی میں انگریزوں کی کوشش حالانکہ اگر انگریزی دور حکومت کا اندازہ کیا جائے تو یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کا بدترین دشمن انگریز ہے۔ انگریز نے مذہب کے برباد کرنے میں

اپنی تمام امکانی مساعی صرف کردیں اور انہوں نے اپنی طرف سے بیشمار نئے نئے نسخے تیار کرکے نذر پیش کردئے لیکن جب انگریزوں نے دیکھا کہ اس سے بھی ان کا کام نہ چلا تو دوسرا حربہ استعمال کیا یعنی ایسا طرز تعلیم ایجاد کیا جس کا اثر مسلمان کے قلب و دماغ پر پڑا۔ اور مذہب کی روح آہستہ آہستہ مسلمان کے دماغ اور قلب سے نکل گئی۔ جس کا اعتراف خود اکثر مفکر کر رہے ہیں۔ کہ ہمارے انگریزی اسکولوں میں پڑھا ہوا کوئی لڑکا ان معنوں میں مسلمان ایسا نہیں جس نے اپنے بزرگوں کے مذہبی عقائد کو غلط سمجھنا نہ سیکھا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آج مسلمان مذہب سے بیگانہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ آج مسلمان کو مذہب اور خدا کی ذات میں شکوک اور شبہات ہو رہے ہیں۔ مسلمان کے دل سے مذہبی شعائر کا احترام ختم ہو رہا ہے۔ مذہبی انسان آج اس کی نظر میں مجنون اور دیوانہ کے درجہ تک پہنچ چکا ہے۔ بس مذہب چند مراسم ہی میں محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ حالانکہ اکثر کو ان میں سے مذہب کے ساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔

بنائے فساد جنگ عظیم کے موقعہ پر برطانیہ نے وحدت عربیہ کو پارہ پارہ کرنے کے لئے شریف حسین کو خلیفۃ المسلمین سے بغاوت پر ابھارا اور اس بات کا وعدہ کیا اور وعدہ ہی نہیں بلکہ دستخطی دستاویز بھی شریف حسین کے حوالہ کردی کہ عرب کو ترکی محکومیت سے آزاد کرکے ایک دولت مستقلہ کی شکل دیدی جائے گی اور اس کا آزاد اور با اختیار بادشاہ شریف حسین کو تسلیم کیا جائے گا۔ بہرحال حکومت کا لالچ انسان کو اندھا کر دیتا ہے۔ چنانچہ شریف حسین نے خلیفۃ المسلمین سے بغاوت اور انحراف کا اعلان کردیا اور جنگ میں برطانیہ کا ساتھ دیا۔ اور اس کی وساطت سے تمام امت عربیہ بھی برطانیہ کے دام فریب میں پھنس گئی۔ اور عرب نے ترک کو برباد اور پامال کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ مقدس ترک کے اسلام اور امت مسلمہ کے درد سے بھرے دل کو اپنی گولیوں سے چھلنی ہی نہیں کیا، بلکہ اس میں بڑے بڑے سوراخ کردئے اور اسلام کے ان جانباز سپاہیوں کو جن کی شوکت و سطوت کا یہ عالم تھا کہ دنیا تصور سے کانپ اٹھتی تھی اپنے ہاتھوں سے برباد کیا۔ اور پرچم اسلامی سرنگوں کردیا۔ لیکن جب جنگ کا خونی اور خوفناک منظر نظر سے اوجھل ہوا۔ دنیا نے امن وچین کا سانس لیا اور حکومتیں صلح اور بٹوارہ کرنے کے لئے بیٹھیں تو عرب جو کہ ترک کو برباد کرکے اپنی ساکھ کھو چکا تھا خوشی خوشی اتراتا ہوا، اپنی جاں نثاری اور قربانیوں کا صلہ لینے کے واسطے حاضر ہوا۔ اور برطانیہ کی دستخطی دستاویز نہایت ادب سے پیش کی۔ لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ ان دستاویز کا حشر کیا ہوا۔ ان صاف اور صریح وعدوں کا کس طرح انکار کیا گیا اور برطانیہ نے اعراب فلسطین کیساتھ

غدار اور بے وفائی کرکے ظاہر کردیا کہ جنگ کے موقعہ پر میثاق اور معاہدہ کرنا ایک سیاسی چال ہوتی ہے جس کا منوانا اپنی ہی قوتِ بازو پر موقوف ہے۔

تصویر کا دوسرا رُخ اسی موقعہ پر دوسری طرف سیم وزر کے لالچ میں در پردہ یہودیوں سے بھی وعدہ کیا گیا تھا کہ فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنانے میں برطانیہ ہر ممکن امداد کریگی۔ چنانچہ یہود نے (جو کہ اپنی قومی خصوصیات یعنی بنیا پن اور سرمایہ پرستی کی وجہ سے دنیا کی نظروں میں اسقدر خطرناک سمجھا جاتا ہے کہ آج اس کو یورپ کا کوئی ملک اپنے اندر جگہ دینا تو درکنار اُن کا گھسنا بھی گوارہ نہیں کرتا۔ اس لئے کہ اس دو ہزار برس کے تجربہ نے دنیا کو آگاہ کردیا کہ اس ملعون اور مغضوب قوم نے جس ملک میں بھی قدم رکھا اس ملک کو اس درجہ تک چوس لیا کہ وہاں کے باشندے نان شبینہ کو محتاج ہوگئے اور ملک کا سارا سرمایہ اور تمام ذرائع آمدنی پر اپنے فطری میلان کی وجہ سے قبضہ کرلیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ یورپ کے ہر ملک سے باری باری نکالے جاچکے ہیں) موقعہ کو غنیمت سمجھا اور سونے اور چاندی کو جنگ کے موقعہ پر خوب جی کھول کر پانی کی طرح بہایا۔ بدقسمتی سے برطانیہ کو کامیابی ہوئی۔ کامیابی کے بعد عربوں کی تمناؤں اور اپنے وعدوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے اعلان بالفور ہوا۔ فلسطین میں یہودیوں کا حق تسلیم کیا گیا۔ اس اعلان کا ہونا تھا کہ یہود جو خانہ بدوشانہ زندگی گزار رہے تھے، سیلاب بن کر فلسطین پر اُمنڈنے شروع ہوگئے۔ اور اپنی فطری عادت کے موافق فلسطین کی زمینیں اور باغات، جائدادیں خریدنا شروع کردیں۔ قیمت اتنی ادا کی کہ اگر یہ کہدیا جائے کہ فلسطین کی مٹی کو سونے میں تول دیا تو بیجا نہ ہوگا۔

عرب کے مقتدر اور ماہرین سیاست رہنماؤں نے جب نتائج اور عواقب پر نظر ڈالی تو مستقبل تاریک دیکھ کر تڑپ اُٹھے اور اس بات کو بخوبی سمجھ لیا کہ اس سیلاب عظیم اور اس بلائے ناگہانی کو اگر نہ روکا گیا تو یہاں کے اصل باشندوں پر عرصۂ حیات تنگ ہوجائے گا۔

چنانچہ عرب نے پہلے اپنی قربانیوں کے احسان عظیم کو یاد دلاکر فریاد کی کہ اگر برطانیہ عرب کی قربانیوں کو بمقابلہ یہود کے سرمایہ کے ترجیح نہیں دینا چاہتی تو کم از کم مساوات کا برتاؤ تو کرے

اعراب فلسطین کے مطالبات عربوں نے حسب ذیل مطالبات کی فہرست حکومت برطانیہ کے روبرو پیش کی۔ (۱) فلسطین میں یہودیوں کی آمد بند کی جائے۔

(۲) یہودیوں کے لئے زمین کی خریداری ممنوع قرار دی جائے۔

(۳) فلسطین میں ایک ایسی وطنی حکومت قائم کی جائے جو ایک منتخب نیابتی مجلس کے سامنے ذمہ دار ہو۔

حقیقتاً ان تینوں مطالبوں میں سے کوئی مطالبہ بھی ایسا نہیں جو برطانیہ کے وقار کو صدمہ پہنچاتا ہو کہ برطانیہ کو اس کے مان لینے میں پس وپیش ہو۔

برطانیہ کو عذر کیوں ہے | برطانیہ اپنی یہود نواز پالیسی کے سلسلہ میں اپنے اخلاقی وعدوں کی پاسداری کا روپ بھر کر اپنے کو معذور بنانا چاہتی ہے۔ لیکن اگر برطانیہ کو اخلاقی وعدوں کی پاسداری کا کچھ بھی خیال ہوتا تو برطانیہ عرب اور یہود سے دو متضاد وعدے ہی نہ کرتی اور ہندوستان اور دیگر نوآبادیات جن سے کہ بارہا وعدے کئے گئے ہیں اُن کے وعدوں کا بھی کچھ خیال کیا ہوتا۔ حالانکہ برطانیہ کی تاریخ شاہد ہے کہ آج تک ایسا کوئی وعدہ جس میں برطانیہ اور اہل ملک کے مفاد کا ادنیٰ تصادم ہو کبھی پورا نہیں ہوا۔

دوسری بات جو برطانیہ کی طرف سے اس سلسلہ میں پیش کی جاتی ہے یہ ہے کہ برطانیہ فلسطین کو سرسبز وشاداب بنانا چاہتی ہے۔ اگر یہی مقصود ہوتا تو اس کے ذرائع اور بہت تھے۔

بلکہ ان تمام خوش کُنیوں کی آڑ میں اصلی غرض اور اعلان بالفور کا حقیقی منشا برطانوی شہنشاہیت کو محفوظ اور مضبوط کرنا ہے۔ برطانیہ چاہتی ہے کہ فلسطین میں ایسی حقیر اور ناتواں قوم برسراقتدار لائی جائے کہ جس کی زندگی برطانیہ کے لطف وکرم پر ہو۔ جو برطانیہ کی اطاعت اور فرمانبرداری سے ایک لمحہ کے لئے بھی منحرف نہ ہوسکے۔ اور برطانیہ کے سیاسی عزائم کے پورا کرنے میں ہاتھ بٹائے۔ جیسا کہ اس کا اظہار ۱۹ رجون ۱۹۳۶ء کو پارلیمنٹ میں کنسرویٹو ممبر مسٹر امیری نے ایک تقریر کے دوران میں کیا تھا

" مدافعت کے لحاظ سے فلسطین کی مقامی حیثیت نہایت اہم ہے۔ یہ گویا کلیفم جنکشن (لندن کا سب سے بڑا ریلوے جنکشن) ہے۔ یہ ایک ایسے مقام پر واقع ہے جو انگلستان، افریقہ و ایشیا کے ہوائی راستوں کا مرکز ہے۔ بحر روم کے جدید حالات میں اس کی بحری حیثیت بھی حد درجہ اہم ہے۔ قبرص، فلسطین اور مصر پر اگر مضبوطی کے ساتھ قبضہ رکھا جائے تو اُس سے نہ صرف نہر سویز کو کھلا رکھنا ممکن ہوگا بلکہ تمام مشرقی بحر روم پر بھی قبضہ رہ سکیگا۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ حکم برداری کی رو سے ہمیں فلسطین میں کوئی بحری مرکز قایم کرنے کی اجازت نہیں۔ تاہم اگر حیفا کو ترقی دیکر

بحر روم کو ایک نئی بڑی بندرگاہ اور تجارتی مرکز بنا دیا جائے۔ نیز اسے تیل کی فراہمی کا ایک بڑا ذخیرہ قرار دیا جائے جبکہ لڑائی کے زمانہ میں کسی دوسری جگہ سے ہمیں تیل نہ مل سکے تو اس کے نتائج نہایت اہم ہوں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حیفا اور عقبہ کے درمیان ریل سے آمد و رفت جاری ہو جائے جس سے نہر سویز کے لئے ایک اور راستہ کھل جائے گا۔"

اسی تاریخ میں ایک دوسرے ممبر کرنل کلفٹن براؤن فرماتے ہیں:۔

"یہ (فلسطین) سلطنت برطانیہ میں رسل و رسائل اور آمد و رفت کا اہم نقطہ ہے۔ لہٰذا ہمارے نقطۂ نظر سے ہمارے لئے یہ دیکھتے رہنا ضروری ہے کہ وہاں کسی ایسی قوم کو آباد ہونے اور اپنی قومیت کو ترقی دینے کی اجازت نہ دی جائے جو بالآخر ہمارے لئے خطرناک ثابت ہو۔"

(ماخوذ از خطبۂ صدارت علامہ سید سلیمان ندوی فلسطین کانفرنس منعقدہ دہلی)

ان دونوں قولوں سے ناظرین کو بخوبی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ فلسطین کی حیثیت برطانیہ کی نظر میں کیا ہے۔ اور برطانیہ کیوں یہود جیسی قوم کو سرزمین فلسطین کا مالک بنانا چاہتی ہے۔ جو یقینی طور پر برطانیہ کے اشاروں پر رقص کرنے پر مجبور ہو۔ اور اعراب فلسطین کے اس احسان عظیم کو جو اس نے اسلامی سلطنت کو برباد کر کے برطانیہ پر کیا ہے پرکاہ کی برابر بھی وقعت نہیں دینا چاہتی اور کبھی اپنے اخلاقی وعدوں کے ایفاء کو بہانا کرتی ہے اور کبھی کہتی ہے کہ برطانیہ ملک کو سرسبز اور شاداب بنانا چاہتی ہے۔

اعراب فلسطین نے جب اپنی تمام آئینی اور اخلاقی تدابیر مطالبات منوانے میں ناکام دیکھیں اور اپنے لئے فلسطین کو تنگ ہوتا دیکھا اور سمجھ گئے کہ برطانیہ نے ۱۹۱۴ء میں عربوں کو اپنے ساتھ اس لئے ملایا تھا کہ وحدت عربیہ کو پامال کر دیا جائے جو کہ برطانوی مفاد کے راستہ میں سد سکندری بنی ہوئی ہے تو عرب اپنے کئے پر پشیمان اور نادم ہوا۔ اس کی غیرت اور حمیت جوش میں آئی۔ دل میں انتقام کا جذبہ پیدا ہوا۔ اسلام اور وطن عزیز کی ناموس کی خاطر دیوانہ وار میدان میں نکلا اور نہایت ہی تزک اور احتشام سے اعلان کیا کہ اب عرب اپنے مطالبات کو اپنی قوت اور طاقت سے منوائے گا۔ اور عرب جب تک اپنے مطالبات کو ایک ایک کر کے منوا نہ لیگا چین و آرام سے ہرگز نہ بیٹھے گا۔ اور آزادی کی محبوبہ کو حاصل کرنے میں اپنی جان کی بازی تک لگا دیگا۔

بس شکست عرب کا وہی جذبہ انتقام ہے جو اس کو برابر آگے بڑھا رہا ہے اور اس راستہ میں دل

ہلا دینے والے انسانیت سوز مصائب و آلام کا نہایت خندہ پیشانی سے مقابلہ کر رہا ہے۔ سیکڑوں محترم جانیں قربان کر چکا ہے۔ ہزاروں بوڑھے، جوان، بچے مرد عورت خانماں برباد پھر رہے ہیں بے شمار جلا وطنی کے مصائب میں گرفتار ہیں۔ بھوک اور پیاس کا تو کہنا ہی کیا۔ سیکڑوں مکانات، سرسبز و شاداب مقامات، تفریح گاہیں، کھنڈر اور ویران ہو چکے ہیں۔ لیکن برطانیہ ہے کہ وہ کسی طرح ان کے مطالبات ماننے کو تیار نہیں ہوتی۔ اور اپنے زعم باطل میں گرفتار ہے اور عرب کے پامال کرنے میں انسانیت اور شرافت کے جامہ کو بالائے طاق رکھ چکی ہے اور ایسے ایسے سنگین جرم کا ارتکاب کر رہی ہے جس کے تصور سے ہی دماغی توازن بگڑ جاتا ہے، کلیجہ منھ کو آتا ہے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

آج کل فلسطین کی حالت فلسطین میں مظالم کی انتہا ہو چکی۔ مسجد اقصیٰ اور دیگر مقامات مقدسہ خطرہ میں ہیں۔ بلکہ بعض کو تو برطانیہ اپنے قبضہ میں کر چکی۔ مسجد اقصیٰ کو یہودیوں کے حوالے کرنا چاہتی ہے۔ اور یہودی اس کو منہدم کر کے ہیکل بنانے کی فکر میں ہیں۔ اس سلسلہ میں ہم مکتوب فلسطین پیش کرتے ہیں جس کو ہم نے گزشتہ کسی اشاعت میں پیش بھی کیا تھا۔ اس سے وہاں کی صحیح حالت کا اندازہ ہو جائے گا۔

"فلسطین پر ایک اور خون کی بارش"

"مکانات منہدم، زعماء دین قید و جلا وطن۔ قتل و ذبح"

"الوداع اے صبر و تمکیں الوداع اے عقل و ہوش"

"مسلمانان عالم کی غیرت کا امتحان"

برادران اسلام! مسلمانان فلسطین کی حالت اب ناقابل برداشت ہو گئی ہے۔ مسجد اقصیٰ اور دیگر اسلامی آثار کو انگریز یہود کے قبضہ میں دینا چاہتے ہیں۔ مسلمانان فلسطین کے مکانات گولیوں سے برباد کر دیے گئے۔ بہت سے مظلوم اپنے وطن کو ترک کر کے ادھر ادھر جان بچاتے پھر رہے ہیں۔ یتیموں اور لاوارثوں کا کوئی پرسان نہیں۔ وہ جنگلوں میں بھوک اور پیاس سے مرے جا رہے ہیں۔ اسلامی ادارات اور اسلامی اوقاف پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ یہود مسجد اقصیٰ کو منہدم کر کے ہیکل بنانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اس حالت میں مسلمانوں کی دینی اور انسانی غیرت کا یہ تقاضا ہے کہ دامے، درمے، قدمے، سخنے فلسطینیوں کی مدد کریں۔ ہر مقام پر جلسے کریں۔ اخبارات میں فلسطین کی دردناک واقعات اور

دلگداز حوادث شائع کریں۔ (مسلمانان فلسطین)

جہادِ فلسطین اور مسلمانوں کا فریضہ

فلسطین کے جہاد میں مسلمانان ہند کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک مذہبی اور دوسری سیاسی۔ مذہبی حیثیت تو ظاہر ہے۔ اس لئے کہ فلسطین میں انبیاء علیہم السلام کا قبلہ ہے۔ اُس کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۷ ماہ رُخ کرکے نماز پڑھی اور علاوہ بیت المقدس کے دوسرے مقامات مقدسہ ہیں۔ مثلاً کوہ طور اور وادی طویٰ اور بیشمار انبیاء اور اولیاء کرام کے مزارات ہیں جنکی تقدیس اور صیانت مسلمان پر فرض اور ضروری ہے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر عمل کرنا ضروری ہے اخرجوا الیهود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب۔ یہود اور نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دو۔ نیز سب سے بڑی وجہ حجاز مقدس میں کعبۃ اللہ اور مدینہ منورہ کی حفاظت ہے۔ اس لئے کہ فلسطین مکّہ کی کنجی ہے۔ کعبہ کا پھاٹک ہے اور حجاز کا قلعہ ہے۔ جیسا کہ لجنۃ العلیا نے اپنے بیان کے ضمن میں ذکر کیا ہے

یریدون ان یتخلصوا من اخطاره بانزال بلائه علی امة العرب فی بقعة مقدسة من وطنهم هی مفتاح مکة ورتاج الکعبة وحصن الحجاز۔

یعنی انگریز بھی یہود کو ایک آفت سمجھتے ہیں اور اپنے ملک کو یہودی خطرہ سے بچانے کے لئے یہ آفت قوم عرب پر نازل کررہے ہیں اور وہ بھی ان کے وطن کے ایک ایسے ٹکڑے ہیں جو مکہ کی کنجی اور کعبہ کا پھاٹک اور حجاز کا قلعہ ہے۔

(ماخوذ از خطبۂ استقبالیہ حضرت علامہ مفتی کفایت اللہ صاحب فلسطین کانفرنس منعقدہ دہلی)

دوسری حیثیت وطنی اور سیاسی ہے۔ فلسطین پر بلکہ تمام مشرقی ممالک پر جتنی بھی مصیبت آرہی ہے اس کا ذمہ دار بھی بدقسمت ہندوستان ہے۔ جس کو کہ سلاسل غلامی میں رکھنے کے واسطے تمام خشکی اور راستے جو ہندوستان اور انگلستان کے درمیان واقع ہیں برطانیہ ان پر اپنا قبضہ چاہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مصر اور عدن کریٹ اور قبرص اور دیگر جزائر پر قبضہ کیا گیا۔ دولت عثمانیہ کو مٹایا گیا، شام اور فلسطین، عراق اور عرب کی یکجہتی کو فنا کرکے چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بدل دیا گیا۔ تاکہ کبھی برطانیہ کے مقابلہ میں سر نہ اٹھا سکیں۔

مذہبی حیثیت سے تو اس جہاد میں مسلمانان ہند کے علاوہ حسب استطاعت شرکت ہر مسلمان کا فرض ہے۔ خواہ وہ مغرب کا رہنے والا ہو یا مشرق کا۔ لیکن سیاسی حیثیت سے اس جہاد میں شرکت

ہندوستان کے ہی مسلمانوں پر فرض اور ضروری ہے۔ بہر حال ہندوستان کے مسلمانوں پر دو حیثیت سے فریضہ عائد ہوتا ہے۔

مجلس عمل فلسطین کا قیام اور اس کی قرار دادیں آج سے تقریباً تین برس پہلے مسلمانوں کی مقتدر اور ایثار پیشہ جماعتوں نے الہ آباد میں زبردست اجتماع کیا اور ایک جماعت بنائی جس میں ہر خیال کے لوگ شریک کئے گئے۔ اس مجلس کا نام مجلس عمل فلسطین رکھا گیا۔ مجلس نے کافی غور خوض کے بعد تین اہم قرار دادیں پاس کیں۔ (۱) ولائتی مال کا بائیکاٹ (۲) دربار کا بائیکاٹ (۳) فوجی بھرتی کا بائیکاٹ۔ نیز اگلے سال دہلی آل انڈیا فلسطین کانفرنس کے موقعہ پر ان تجاویز کو دہرایا گیا۔ دربار تو ہندوستان میں ہوا ہی نہیں جس کا بائیکاٹ ہوتا۔ باقی دو تجاویز پر اگر عمل کیا جائے تو یقیناً قصر برطانیہ متزلزل ہوجائے۔ یہ ایک ایسا خاموش اور کامیاب حربہ ہے جس کا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوا اور نہ کبھی آئندہ ہو سکتا ہے۔ اس کا تجربہ بارہا ہندوستان کر چکا ہے۔

مجلس عمل کے فیصلوں کا حشر لیکن مجلس کے فیصلوں پر عمل کرنا تو درکنار ہندوستان کا مسلمان تو کسی ایسی تجویز کو سننے کے لئے بھی تیار نہیں جس میں برطانیہ کے مفاد کو ادنیٰ سا صدمہ بھی پہنچتا ہو۔ بلکہ وہ تو الٹا ان لوگوں کو ہی طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا اپنے لئے ضروری خیال کرتا ہے جو اس قسم کے اقدام کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان کی کوئی آواز انگریز کے لئے مضر نہیں ہوتی۔ اور آج ہر طرف سے مصیبتوں کا شکار مسلمان ہی بن رہا ہے۔ ہاں مسلمان کی غیرت اور حمیت میں جوش وہیں آتا ہے جہاں کہیں انگریز کے مفاد کو تقویت پہنچانی ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید مسلمان کا مذہب انگریز کے اشاروں پر چل رہا ہے۔ (معاذ اللہ)

امتحان کا آخری وقت اور دعوت عمل مسلمانوں کی بے توجہی کا ہی نتیجہ تو ہے کہ آج مسلمان کے مقامات مقدسہ خطرہ میں ہیں۔ اور اگر یہی بے توجہی اور بے حسی اور انگریز کے مفاد کا خیال رہا تو وہ دن دور نہیں ہے کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پر بھی انگریز اور دشمنان اسلام کا قبضہ ہوگا۔ اور وہاں پرچم اسلامی کے بجائے صلیبی نشان نظر آئے گا اور بیت المقدس یہودیوں کا ہیکل بنا دیا جائیگا۔

اے مسلمان تو بہت دنوں برطانیہ اور ان کے ایجنٹوں کے ہاتھوں کٹ پتلی بنا رہا۔ اٹھ اور اپنی غفلت کا پردہ چاک کر اور دیکھ کہ برطانیہ تیری وفاداریوں کے صلہ میں بیت المقدس کو یہودیوں

کا ہیکل بنانا چاہتی ہے اور تیرے مذہبی شعائر اور تیرے انبیاء اور اولیاء کے مزارات کی بے حرمتی اور توہین کر رہی ہے۔ کیا آج بھی تیری رگ حمیت میں جوش نہیں آئیگا۔ کیا آج تو یہود و نصاریٰ کو اپنی بے حسی اور غفلت سے جزیرۃ العرب کا مالک اور متصرف بنانا چاہتا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلعم نے وصیت کی تھی کہ یہود اور نصاریٰ سے جزیرۃ العرب کو خالی اور پاک رکھنا۔

کیا تیری حمیت اور غیرت کا جوش اجودھیا شہید گنج۔ فتح پوری کی مسجد اور اپنے آباء و اجداد کے مزارات کے انہدام ہی تک ہے۔ حالانکہ بیت المقدس ہندوستان کی تمام مساجد سے افضل اور وہاں کے مزارات ہندوستان کے اولیاء کے مزارات سے کہیں اشرف ہیں تجھے اپنے ناموس کا کوئی خیال نہیں۔ تو یونہی جزیرۃ العرب، مسجد اقصیٰ، خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کو اغیار کے قبضہ میں جاتا ہوا آسانی سے دیکھ لیگا۔ اور تیرے دل میں برطانیہ کی طرف سے میل نہیں پیدا ہوگا۔ مجلس تحفظ فلسطین برطانوی مظالم سے تنگ آکر یکم ستمبر کے اجلاس دہلی میں غلاموں کا آخری حربہ یعنی سول نافرمانی پاس کر چکی ہے۔ آج تیری غیرت و حمیت کا امتحان ہے۔ اسلامی شعائر اور اسلامی تہذیب کو آج انگریز فنا کر رہا ہے۔ اگر واقعتاً تیرا دعویٰ سچا ہے تو میدان میں نکل اور اپنے سیاسی اختلافات کو درمیان سے نکال دے اور باہم متحد ہو کر برطانیہ کے مقابلہ میں بنیان مرصوص بن اور فلسطین کی آزادی کے سلسلہ میں جو مظالم بھی برطانیہ کرے ان کو برداشت کرنے کے واسطے مجلس تحفظ فلسطین کی ہدایتوں کے مطابق اپنے کو طیار کر ہر جگہ مجلس تحفظ فلسطین قائم کر۔ واللہ الموفق والمعین

احسن سلام

تاریخ ہندوستان کا ایک باب

زوال دولتِ مغلیہ کے اسباب

(از محمد میاں عفی عنہ)

گزشتہ اشاعت میں بالاجمال ذکر کیا گیا تھا کہ شاہ عالم معظم شاہ۔ عرف بہادر شاہ اول پسر سلطان عالمگیر کی وفات کے بعد شاہ عالم کا بڑا بیٹا معزالدین جہاندار اسداللہ خاں اور ذوالفقار خاں کی اعانت سے سریر سلطنت پر فائز ہوا۔ مگر ابھی اس کی سلطنت کو ایک سال نہ گزرا تھا کہ قتل کر دیا گیا۔ اور اسکی جگہ فرخ سیر نے سلطنت حاصل کر لی۔

آج کی اشاعت میں ہم تاریخ ہندوستان جلد نہم سے صرف دو عبارتیں نقل کرتے ہیں۔ جن سے اس زمانہ کی درباری حالت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

پہلی عبارت معزالدین جہاندار شاہ سب بیٹوں میں بڑا تھا۔ وہ خفیف العقل اور عیش دوست تھا سلطنت کے کاموں کے کرنے میں اپنے اوپر تکلیف گوارا نہیں کرتا تھا۔ اور نہ کسی امیر کو اپنا یار مددگار اور خیرخواہ بنانے کی پروا کرتا تھا۔ اس سے چھوٹا بیٹا عظیم الشان تھا۔ وہ مدبر اور خلیق تھا۔ لوگوں کا دل اس کی طرف کھنچتا تھا۔ اورنگ زیب کی مدبرانہ یہ حکمت تھی کہ وہ پوتوں پر بہت مہربانی اور شفقت کرتا تھا اور سلطنت کے معاملات اُن کے سپرد کرتا تھا۔ اُس کے بیٹے بادشاہی حاصل کرنے میں اولی العزمی کرتے تھے۔ اس کا علاج اورنگزیب نے یہ نکالا تھا کہ ان ہی کے گھروں میں ان کا دشمن پیدا کر دیا تھا۔ بیدار بخت اپنے باپ اعظم شاہ کا رقیب اور عظیم الشان اپنے باپ شاہ عالم کا حریف تھا۔ جس کو اورنگ زیب نے تین اضلاع بنگال۔ بہار اور اڑیسہ کا صوبہ دار مقرر کیا تھا۔ جہاں سے وہ بہت سی دولت اور سپاہ لا کر باپ کے ساتھ جنگ میں شریک ہوا تھا۔ گو اس نے لڑائی میں بڑی بڑی خدمات انجام دی تھیں۔ مگر باپ اس کو اپنا رقیب اور حریف ہی سمجھتا تھا۔

تیسرا بیٹا رفیع الشان تھا۔ جو باپ کے ہمراہ ہمیشہ رہتا تھا۔ وہ اس کا بڑا لاڈلا تھا۔ بڑا ذہین تھا۔ علوم دینیہ میں مہارت رکھتا تھا۔ منشی تھا۔ فقہ خوب جانتا تھا۔ مگر وہ بھی عیش کا بندہ تھا۔ موسیقی اور دربار کی شان و شکوہ کا بڑا شوقین تھا۔ نہ وہ سلطنت کے کاموں پر توجہ کرتا تھا نہ گھر کے انتظام پر۔

خجستہ اختر جہاں شاہ سب میں چھوٹا بیٹا تھا۔ شاہ عالم (معظم شاہ) کی تخت نشینی سے پہلے وہ معاملات ملکی پر بہت توجہ کرتا تھا۔ اور آخر کو تمام کاروبار و اختیارات سلطنت میں بڑا دخیل تھا۔ وہ منعم خاں سے بہت محبت اور تعلق رکھتا تھا (ص ۹۶ ج تاریخ ہندوستان مصنفہ خان بہادر شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب دہلوی مطبوعہ علی گڑھ کالج)

دوسری عبارت | جہاں دار شاہ کے عہد ناپائیدار میں فسق و فجور کی بنیاد پوری مستحکم ہوئی۔ قوالوں اور کلاونتوں اور ڈوم دھاڑیوں کے گانے کا بازار گرم ہوا۔ قریب تھا کہ قاضی قرابہ کش اور مفتی پیالہ نوش ہو۔

آصف الدولہ اسد خاں بہادر کو وکالت کے عہدہ پر اور اس کے بیٹے ذوالفقار خاں کو وزارت کے عہدہ پر سرفراز کیا۔ اور وجہ اوس کی یہ تھی کہ ذوالفقار خاں دانشمند فطرتی تھا۔ اور سازشوں اور جوڑ توڑ کرنے کا استاد تھا۔ وہ اول ہی جہاں دار شاہ کی ساری مہمات میں اس لئے شریک ہوتا تھا کہ وہ سب شاہزادوں میں زیادہ بے وقوف اور احمق تھا۔ سلطنت کی قابلیت نہیں رکھتا تھا۔ وہ اس کو سمجھتا تھا کہ میرے ہاتھ میں کٹ پتلی کی طرح رہے گا۔ جو ناچ نچاؤں گا ناچے گا۔

چنانچہ سارا اختیار سلطنت اسی کے ہاتھ میں تھا۔ اور وہ بادشاہ کی حقیقت کچھ نہ سمجھتا تھا۔ اب بادشاہ لاہور سے دہلی میں آ گیا۔ اگر وہ ذوالفقار خاں کی رائے پر چلتا تو وہ مصائب نہ دیکھتا جو اس کو پیش آئے۔ ایک کسبی لال کنور تھی۔ بادشاہ اس کے عشق میں مرتا تھا۔ اب اس کو امتیاز محل کا خطاب عطا کیا۔ اور بادشاہانہ سواری کا سامان عنایت ہوا۔ لال کنور کے سگے بھائی خوشحال خاں کو صوبہ داری اکبر آباد اور منصب پنج ہزاری سہ ہزار سوار مرحمت ہوا۔ اور اس کے چچیرے بھائی نعمت خاں کو منصب عنایت ہوا۔ ذوالفقار خاں نے ان خطابوں کے اسناد و فرمان چند روز عمداً نہ لکھے تو بادشاہ کی خدمت میں لال کنور نے ذوالفقار خاں کی شکایت کی۔ جہاندار شاہ نے ذوالفقار خاں سے سبب پوچھا۔ بادشاہ کی خدمت میں ذوالفقار خاں گستاخ تھا اُس نے جواب دیا ہم خانہ زاد رشوت ستاں ہیں بغیر رشوت لئے ہم کسی کا کام نہیں کرتے۔ جہاندار شاہ نے مسکرا کر پوچھا کہ لال کنور سے کیا رشوت لوگے۔ تو اُس نے عرض کیا کہ ہزار طنبورے جن پر استادوں کی نقاشی کا کام ہو۔ بادشاہ نے کہا کہ طنبورے کیا کروگے۔ ذوالفقار خاں نے کہا کہ "جب قوال صوبہ داری کا کام کریں تو ہم خانہ زاد بیٹھے کیا کریں۔ طنبورے اور ڈھول ہی بجایا کریں۔ بادشاہ نے ہنس کر اپنا حکم منسوخ کیا (ص ۹۶)

اس بادشاہ کی ایک اور حکایت شہر بشہر نقل مجلس ہوئی کہ بادشاہ اکثر اوقات اپنی معشوقہ ہمدم کے ساتھ رات کو

رتھ میں سوار ہوتا۔ چند خواصوں کو لیکر سیر و تفریح کے لئے بازار اور خرابات خانوں میں جاتا۔ ایک رات کو دونوں ہمدم جانی سوار ہوئے اور دونوں نے اسقدر شراب پی کہ بالکل بدمست ہوکر دولت خانہ بادشاہی کے دروازے پر آئے۔ لال کنور ایسی ہوش باختہ تھی کہ اترتے وقت اصلا بادشاہ کی طرف متوجہ نہ ہوئی۔ بیہوش اپنے بستر پر چلی گئی۔ شراب کے نشہ میں سو گئی۔ بادشاہ کو بھی اپنے حال کی خبر نہ تھی۔ رتھ میں بیہوش پڑا تھا۔ رتھ بان رتھ کو اپنے مکان میں لیگیا۔ اور اسکو کھول دیا۔ صبح کو جب بادشاہ کے خواصوں نے لال کنور پاس بادشاہ کو نہ دیکھا اور لال کنور کو خبر ہوئی کہ بادشاہ معلوم نہیں کہاں ہے تو وہ بڑی سراسیمہ ہوئی۔ رونے پیٹنے لگی اور بادشاہ کی ڈھونڈ ہا مچی تو بادشاہ سلامت رتھ میں ملے۔ اور بہت افعال اُس نے (جہاندار شاہ نے) ایسے کئے کہ اُن کے لکھنے سے بھی شرم آتی ہے۔ تاریخ ہندوستان صفحہ ۱۹

ہم نے یہ واقعات اس کتاب سے نقل کئے ہیں جو سرسید کے دوست شمس العلماء اور خان بہادر کے قلم مبارک کی لکھی ہوئی ہے اور سرسید کے مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڈھ کالج میں چھپی ہوئی۔

ہمارا مقصد یہ قطعاً نہیں کہ دو سو سال پیشتر کے مرنے والوں کی ہڈیاں قبروں سے نکالکر نمائش گاہ میں لائیں۔ ہاں ہم یہ ضرور چاہتے ہیں کہ غلط تواریخ غلط بیانات اور غلط پروپاگنڈے سے ہندوستان کی فضا کو روز بروز مکدر کرکے غلامی کی زنجیروں کو جس قوت سے مضبوط کیا جارہا ہے اسکا انسداد جسقدر بھی ہو سکتا ہو۔ ہو۔ (واللہ الموفق)

ان دونوں عبارتوں کے نقل کے بعد ہم پھر اپنی سابق تحریر کی طرف رجوع کرتے ہیں (ربط کیلئے ملاحظہ ہو قائم بابت شعبان صفحہ ۱۶) سادات بارہ نے ۹ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ کو شمس الدین رفیع الدرجات کو تخت پر بٹھادیا تھا۔ مگر یہ بیمار تھا اسکی عمر نے وفا نہ کی۔ تو پھر ان دونوں بھائیوں نے اس کے دوسرے بھائی رفیع الدولہ کو تخت پر بٹھادیا۔ لیکن یہ بھی بڑے بھائی کی طرح تین ماہ سے زیادہ حکومت نہ کر سکا۔ اور مرض اسہال میں مبتلا ہوکر راہی عدم ہوا۔

اسکے بعد ۱۰ ذی قعدہ ۱۱۳۱ھ کو محمد شاہ کو جو معز الدین کے زمانہ سے اپنی ماں سمیت قید تھا تخت پر بٹھادیا گیا بیشک محمد شاہ کے زمانہ میں سادات بارہ کا اقتدار ختم ہوگیا حسین علی خاں اور قطب الملک دونوں قتل کردیے گئے محمد امین خاں امین نے بروایت (سیر المتاخرین) شیعہ اثر سے دہلی کے تخت کو پاک کرنا چاہا۔ مگر محمد امین کی عمر نے وفا نہ کی اور پھر نادر شاہ۔ شاہ ایران کے حملے نے سلطنت مغلیہ کا رہا سہا دم بھی نچوڑ لیا۔

نادر شاہ ایران کا بادشاہ تھا جہاں صدیوں سے شیعہ مذہب حکومت کر رہا ہے۔ چونکہ وہ ہندوستان میں محض افغانوں کے تعاقب میں آیا تھا جو روہیلکھنڈ میں آکر سکونت پذیر ہوگئے تھے اس لئے اس نے محمد شاہ پر احسان کرکے دوبارہ اس کو تخت دہلی پر متمکن کردیا اور کچھ فوج بھی یہاں چھوڑ گیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ نادر شاہ کی آمد شیعوں کے لئے ایک مبارک ۴۴

۴۴ فتح تھی۔ محمد شاہ امور سلطنت میں زیادہ چست نہ تھا۔ نادر شاہ کے اس واقعہ کے بعد اسکی آنکھ تو کیا کھلتی نادر شاہ کے احسان نے اسکو اور بھی زیادہ سست کردیا۔ ہانی

مسلمانوں کی سیاسی دنیا

(از مولانا محمد اطہر صاحب کٹکی رکن جمعیۃ علماء ہند)

(گذشتہ سے پیوستہ)

اس مضمون کا پہلا حصہ ماہ رجب کے "قائد" میں شائع ہو چکا ہے۔ غلطی سے اس قسط کے اختتام پر 'باقی' لکھنا رہ گیا جسکے باعث ناظرین کرام کو اضطراب ہوا۔ چنانچہ اسکی شکایت بھی کی گئی تھی۔ ہم ناظرین کرام سے اس غلطی کی معافی چاہنے پر مجبور ہیں (ادارہ)

عنوان بالا کے ماتحت قائد کی کسی اشاعت میں یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ موجودہ سیاسی ماحول اسلامی دنیا کے لئے کس قدر مخدوش ہے اور اس سلسلہ میں جو واقعات قلم بند کئے گئے وہ بحری و بری استحکام کے چند نمایاں اور غیر مبہم واقعات تھے جن سے اغماض اور چشم پوشی انتہائی نادانی اور ناسمجھی ہے۔

اس سے کون منکر ہو سکتا ہے کہ برطانی سیاست کے بساط پر جتنے مہرے رکھے ہوئے ہیں ان میں وہ مہرہ سب سے زیادہ خطرناک ہے جسے دنیائے اسلام اور مسلمان کے نام سے یاد کرتی ہے اور یہی مہرا برطانی بساط سیاست کے استحکام کے لئے تختۂ مشق بنا ہوا ہے۔ جہاں دیکھو جس طرف نظر اٹھاؤ وہیں آپ کو صرف یہی مہرا پٹتا ہوا نظر آئے گا۔ اس سے قبل برطانی بساط کا ایک رخ جو بری استحکام کے سلسلہ میں تھا پیش کیا گیا تھا۔ اسی بری محاذ کے تحفظ کا اہم پہلو یہ بھی ہے کہ ہندوستان کی شمالی مغربی سرحدی پہاڑیوں پر گورنمنٹ کا آہنی پنجہ اس طرح کسا ہوا ہو کہ اس علاقہ کا ایک ذرہ بھی اس سے مستثنٰی نہ ہو۔ اسی مقصد کے لئے وزیرستان پر بیدریغ ظلم تعدی روا رکھی جا رہی ہے جو خالص اسلامی آبادی ہے۔

اب برطانی بساط سیاست کا دوسرا رخ یعنی بحری استحکام ملاحظہ فرمائیے جو سرتاسر ہندوستان کو غلام رکھنے کے لئے ہے سو وہاں بھی اسی مہرے کو استعمال کیا جا رہا ہے۔ جسے عام اصطلاح میں اسلام اور مسلمان کہتے ہیں۔ استعمال ہی نہیں بلکہ اس کے سینے پر بندوق کی نال رکھ کر اس سے یہ کہلوانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ برطانیہ کا ہر حکم میرے لئے ایسا ہی ہوگا جیسا کہ آسمانی صحیفہ۔

بندرگاہ جیغہ اور برطانیہ | برطانیہ کے بحری راستوں کے سلسلہ میں وہاں تک تو یہ عرض کیا جا چکا ہے

کہ بحرِ روم اور نہر سویز پر اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لئے مصر میں جگہ مل ہی چکی ہے۔ مگر برطانیہ کے لئے ایک بڑی دشواری یہ پیش آ رہی ہے کہ ۱۹۱۴ء کے بعد کا بنایا ہوا نقشہ ۱۹۳۹ء میں بگڑتا ہوا نظر آتا ہے یعنی جنگ کی کامیابی کے بعد جو حصے بخرے ہوئے تھے ان حصوں میں اوروں کو بہت زیادہ کچھ ملا مگر برطانیہ کو جو حصہ ملا وہ اوروں کی بہ نسبت بظاہر بہت کم تھا۔ دنیا نے یہی سمجھا کہ برطانیہ بہت ہی انصاف پسند ہے دوسروں کو تو بڑی بڑی سلطنیں عطا کر دیں اور خود بیچارا محض مصر و فلسطین ہی پر اکتفا کر بیٹھا اور فلسطین بھی پورا نہیں بلکہ اس کے دو ٹکڑے کر کے ایک کو اپنے چہیتے امیر عبداللہ کے سپرد کر دیا جس کا نام شرق اردن ہے۔ دنیا نے بظاہر یہ ہی سمجھا۔ مگر برطانیہ خوش تھا۔ اس دن اس کے گھر گھی کے دیے جل رہے تھے۔ جب مصر اور فلسطین پر اس کا انتداب قائم ہوا اور خوش کیوں نہ ہو جبکہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ میرے ہاتھ وہ چیز آئی ہے جو کسی کو میسر نہیں مصر اور فلسطین ایسی کنجیاں ہیں جن کے ذریعہ سے سونے کی الماری کھولی جا سکتی ہے۔

بہر نوع ہمیں اس وقت دیکھنا یہ ہے کہ ہندوستان کی غلامی کیا کچھ کر کے رہے گی۔ اور دنیا کی وہ کتنی مظلوم قومیں ہوں گی جو اس غلامی کی بھینٹ چڑھیں گی۔ قوموں میں سے تو بظاہر کوئی اور قوم نظر نہیں آتی سوائے اس کے کہ وہ دنیائے اسلام کی قومیں ہیں جن کے افراد بدبخت غلامی کی بھینٹ چڑھیں گے۔

سنئے وہ ۱۹۱۴ء کا بنایا ہوا نقشہ کیوں بگڑتا نظر آ رہا ہے اور وہ کنجیاں کیوں ٹوٹتی دکھائی دیتی ہیں اور انگلستان کی گوری قوم کے لئے ہندوستان کے راستے کیوں مخدوش اور پر خطر ہوتے جا رہے ہیں وہ یہ کہ انگلستان سے ہندوستان تک آنے کے لئے برطانیہ کے لئے صرف دو ہی راستے ہیں۔ ایک فضائی دوسرا بحری بدقسمتی سے ان دونوں راستوں کا جنکشن فلسطین ہے۔ اگر بحری جہاز انگلستان سے چلے۔ جب فلسطین اور حیفہ کے بندرگاہ پر آئے گا۔ اور فضائی جہاز چلے جب حیفہ ہی اس کا مرکز ہوگا اگر یہ مرکز خطرے میں پڑ جاتا ہے تو بس نقشہ سارے کا سارا درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اور یہی بندرگاہ حیفہ بحر احمر نہر سویز اور بحرِ روم پر برطانوی اقتدار کا باعث بن سکتا ہے اگر اس پر سے اقتدار ختم ہو گیا تو تمام برطانیہ کے مقبوضہ علاقے جرمن اور روم کے شکار ہو جائیں گے۔

بہرحال حیفہ سے جو بحری راستہ بحر احمر تک آیا ہے وہاں سے دو راستے ہو جاتے ہیں ایک

وہ راستہ جو بحر احمر سے نکل کر بحر ہند میں گرتا ہے مگر بحر احمر سے ہندوستان تک پہنچنے کے لئے ایک قریبی راستہ اور مل جاتا ہے۔ جو ایک طرف کراچی کے بندرگاہ تک پہنچتا ہے دوسرا بمبئی کے بندرگاہ پر تیسرا کلکتہ تک اور پھر وہاں سے رنگون اور برما تک۔ برما سے چین اور جاپان تک دوسرا راستہ بحر احمر سے شروع ہو کر نہر سویز، بحر روم اور جبرالٹر ہوتا ہوا افریقہ تک۔ اگرچہ بحری راستہ ہندوستان تک آنے کے لئے بہت پھیر کا ہے مگر ہے یہ بھی ایک راستہ۔ جس کا تحفظ ہندوستان کے لئے اتنا ضروری نہیں جتنا کہ افریقی نوآبادیات کے لئے ہے۔ مگر بہر صورت یہ کہنا پڑے گا کہ ان تمام تحفظات کا اصلی مرکز حیفہ اور فلسطین ہے جو برطانی فضائی اور بحری استحکام کے لئے ایک بہترین مرکز ہے۔ اگر انگلستان سے فضائی بیڑے کو حرکت ہو تو سوائے اس راستے کے کوئی اور راستہ نہیں جو حیفہ کے راستہ سے مصر، ایران اور افغانستان ہوتا ہوا کراچی اور دہلی، کلکتہ اور رنگون تک پہنچتا ہے۔ مگر اس فضائی استحکام کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ نہر سویز اور بحر روم پر برطانیہ ہی کا تسلط ہو۔ ورنہ جرمن اور اٹلی اور سپین اس فضائی طاقت کے پرخچے اڑا دیں گے۔

برطانیہ کی متزلزل سیاست برطانیہ اپنے اس بندرگاہ کو جو حیفہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ہمیشہ کے لئے محفوظ رکھنے کی خاطر فلسطین کی سرزمین پر جرمنی سے نکالے ہوئے یہودیوں کو بسا رہی تاکہ جنگ عظیم کا وہ وعدہ بھی پورا ہو جائے جو ارض مقدس کو یہودی وطن بنانے کے سلسلہ میں کیا گیا تھا حکومت برطانیہ فلسطین کے بحری دروازے کی پاسبانی اور نگاہبانی کے لئے ایک ایسی قوم کو منتخب کر رہی ہے جو قیامت تک برطانی حکم کے خلاف چوں بھی نہیں کر سکتی۔ رہے فلسطین کے عرب مسلمان، وہ آج نہیں تو کل ضرور اپنی کھوئی ہوئی آزادی طلب کرتے اور اُن کے اندر کبھی نہ کبھی حرکت پیدا ہوتی۔ لہٰذا اب وہی ہو رہا ہے جس کا خطرہ برطانیہ کو پہلے ہی سے محسوس ہو رہا تھا۔ آج جس بیدردی کے ساتھ لندن کے فیصلہ کو عربوں پر مسلط کرنے کے لئے ان پر گولہ باری اور فوجکشی ہو رہی ہے وہ محتاج بیان نہیں دنیا کو معلوم ہے کہ فلسطین کی بالشت بھر زمین پر وہ سب کچھ ہو رہا ہے جسے دیکھ کر انسانیت لرزتی ہے۔ آج یورپ کو اور کل دنیا کو یہ معلوم ہے کہ فلسطین کی بالشت بھر زمین کے اندر انگریزی راج کے خزینے مدفون ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ فلسطین کی زمین برطانی حکومت کے لئے زندگی اور موت کا سوال بن رہی آج یہ عربوں کی بیداری ہی کا نتیجہ ہے کہ یورپ کی سیاسی منڈیوں میں برطانی حکومت کی ساکھ ختم

ہوتی نظر آرہی ہے۔ اس وقت برطانیہ اس مطالبہ کو پورا کرنے کے لئے تیار ہے جو واقعی طور پر اس کے لئے ذلت اور رسوائی کا پیغام ہے۔ ہاں دنیا کے سارے مطالبے منظور ہو سکتے ہیں اگر نہیں ہوتے تو عربوں کے مطالبے چیمبرلین یورپ کا بڑا مصلح جو مدبر معلوم ہوتا ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ کسی کی سیاسی غرض کے لئے مظلوم انسانوں کا خون پانی کی طرح بہایا جائے۔ مگر خود اس کی حکومت فلسطین میں مظلوم عربوں کا خون بہائے تو وہ عین تدبر اور عین دانشمندی نہیں بلکہ سراسر رحم اور نرم دلی ہے۔

ہاں ٹھیک تو ہے جس سے برطانیہ کو نقصان پہنچتا ہو وہ عین حماقت اور تدبر و دانشمندی کے خلاف ہے۔ آج اگر ہٹلر نازی فوج کے بوتے پر ایک ناجائز مطالبہ کرتا ہے تو وہ چیمبرلین کے نزدیک جائز اور حق بجانب ہے اور اگر عربی اور یہودی اپنے جائز اور صحیح حق کا مطالبہ کرتے ہیں تو اس کا جواب گولیوں اور سنگینوں سے دیا جا رہا ہے۔ کیا دنیا ایسی بے وقوف ہے جو ان بازیگرانہ چالوں کو جانتی نہ ہو یہ کون نہیں جانتا کہ ہٹلر کے مطالبہ کو پورا کر دینے سے برطانی سیاست پر کیا اثر پڑا۔ اور وہ دنیا کی نظروں میں کس قدر ذلیل ہوگیا۔ اگر آج فلسطین کی آزادی کے مطالبہ کو برطانیہ اپنی مادی طاقتوں کے ذریعہ ٹھکرانے میں خدانخواستہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ تو مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ دنیا کی زمین اس پر تنگ کر دی جائے گی۔

ہندوستان کا مسلمان | یہ سب کچھ جس غرض کے لئے ہو رہا ہے وہ صرف یہی ہے کہ ہندوستان کسی صورت سے برطانی قبضہ و اقتدار سے نجات نہ پائے۔ اس وقت جو حیثیت ممالک اسلامیہ کی ہے اس سے یہ اندازہ لگا لینا کچھ مشکل نہیں کہ مسلمانوں کی یہ چھوٹی چھوٹی حکومتیں برطانیہ سے گرے سے گرے درجہ کا پیکٹ کر لینے پر مجبور ہیں۔ اس لئے کہ برطانیہ کی طاقت ہندوستان کی وجہ سے بہت بڑھی ہوئی ہے۔ اور ہر شخص طاقت کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اسلامی ممالک کی یہ بے بسی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے اور زیادہ بڑھتی جائے گی۔ تاوقتیکہ ہندوستانی برطانیہ کی غلامی کے جوے کو اپنے کندھے سے اتار نہ دیں گے

تدبر تو یہ تھا کہ برطانیہ کی مجبور کن بین الاقوامی مشکلات سے ہم فائدہ اٹھاتے۔ مگر واہ رے بدبختی۔ مسلمان ہے کہ اب بھی آنکھیں نہیں کھولتا موجودہ دور میں ارض مقدس کی عزت اور آزادی کو برقرار رکھنے کی خاطر اور خصوصا ساڑھے آٹھ کروڑ مسلمان جو اس وقت برطانی حکومت کے نرغے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ان کو نجات دلانے کے لئے اسے یہ چاہئے تھا کہ برطانیہ کی مخالفت میں اپنی پوری طاقت صرف کر دیتا۔ مگر بجائے اس کے دیکھا یہ گیا کہ برطانی سامراج کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لئے فوجی بل ہندوستان میں پاس کر دیا گیا یعنی

جو اس وقت وزیرستان کے مسلمانوں اور فلسطین کی مقدس سرزمین میں بسنے والے عربوں [illegible]
بہت کم ہی مسلمانوں کی اور مسلمانوں کے مقدس مقامات کی اور اُن کے عورتوں اور بچوں کی [illegible]
بے حرمتی ہوئی ہے وہ ابھی ناکافی ہے۔

یہ ہے ہمارے سیاست دانوں کی سیاست جس پر ہم اور روز ناز کیا کرتے تھے۔ [illegible]
کن حالات سے نجات حاصل کرنیکے لئے ہندوستانیوں کو کھلونا دکھا کر حملہ اور روز [illegible]
دکھا کر ہمارے قائدین عظام کو خصوصاً مغالطہ دینا چاہتا ہے۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ [illegible] کی
کرسیوں کو دور ہی سے دیکھ کر ہمارے قائدین کرام کی رال ٹپک پڑی ہے۔

اب ہمارے ہندوستان کے بسنے والے مسلم عوام کی باری ہے کہ وہ ان حقائق کو پیش نظر رکھ کر کونسی
راہِ عمل اختیار کرتے ہیں۔ اگر آج برطانیہ کو ہندوستانی عوام کی طرف سے ذرہ برابر بھی اطمینان حاصل ہو جائے
تو پھر دیکھنا کہ بحر احمر کی لہراتی موجوں میں برطانیہ کس طرح لہراتا ہے۔ اور [illegible]
بہرحال برطانیہ اور ہندوستان کے لئے یہ ایک سخت اور کٹھن دور ہے۔ اگر ہندوستان کا مسلمان اپنے
غلط کوش اور مطلب پرست رہنماؤں کی قیادت کے قلادے نکال کر ایک سچے اور [illegible] مسلمان کی حیثیت
سے ان حقائق پر غور کرنیکے بعد ایک دم میدان میں آ ڈٹے تو ایک ہی دن میں اپنی قسمت کا فیصلہ وہ خود
کر سکتا ہے جو پورے ایشیا کے لئے اور خصوصاً ساڑھے کروڑ مسلمانوں کے لئے باعث رحمت ثابت ہوگا
کیا ہمیں ایک مسلمان ہونیکی حیثیت سے یہ دریافت کرنیکا حق ہے کہ کیا اب بھی مسلمان آنکھیں نہ کھولے گا اور
کیا اب بھی ہندوستان کا مسلمان یہی سمجھتا رہیگا کہ ہندوستان کی آزادی سے صرف ہندو ہی فائدہ حاصل کریگا
اور کیا اب بھی ہندوستان کا مسلمان اغراض پسندوں کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنا رہے گا۔ نہیں بلکہ اس کو آج
یہ طے کرنا پڑے گا کہ جس آزادی میں دنیائے اسلام کی چین اور آرام کا راز مضمر ہے اس کو اسے حاصل
کرنا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ زیادہ دنوں تک ہندوستان کے مسلمان عوام مغالطہ اور فریب میں مبتلا نہیں
رہ سکتے۔ اور ہمیں اس کا پورا یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن یہ بے حسی بیداری میں تبدیل ہو کر رہے گی
اور مسلمان ضرور ایک دن برطانی ڈپلومیسی کی دھجیاں اُڑا کر دنیا کے سامنے رکھ دے گا۔ آمین

محمد اطہر کیشکی

نزیل مراد آباد

تاریخ اسلام

سیدنا ابوبکر اور ابوفکیہہ رضی اللہ عنہما

سیدنا ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ بھی حضرت بلال کے ساتھی ہیں۔ غلام تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ مشرف باسلام ہوئے اور پھر مصائب میں بھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ہم پلہ رہے۔

سفیان بن امیہ بن خلف آقا تھا۔ سخت ترین ظالم۔ بدترین کافر جب ابوفکیہہ کے مسلمان ہو جانے کا علم ہوا تو حکم دیا کہ رسی پاؤں میں باندھکر شہر کی گلیوں اور سڑکوں پر مردہ لاش کی طرح گھسیٹتے ہوئے رمضا میدان میں لیجاؤ۔ چنانچہ بدبخت آقا کے بدبخت خدام نے ایسا ہی کیا۔ راستہ میں کنکر۔ پتھر اینٹیں سر میں لگتی تھیں سکر اور مونڈھے تمام چھل گئے۔ سر اور بدن لہولہان ہو گیا۔ پتھر خون سے تر بتر ہو گئے۔ گویا اُن کا کلیجہ پھٹ گیا۔ مگر ان کافروں کا دل نہ پسیجا۔

"رمضا" کہا جاتا ہے ریتلے میدان کو۔ عرب کا ریتلا میدان اور دوپہر کی گرمی۔ دھوپ کی تیزی۔ خدا کی پناہ۔ مگر آپ کو تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیا گیا۔ بھاری پتھر سینہ پر رکھدیا گیا۔ مگر واہ رے ابوفکیہہ۔ زبان پر یہی جاری ہے لا الہ الا اللہ۔ محمد رسول اللہ۔ شعر

بتانِ ماہوش اجڑی ہوئی منزل میں رہتے ہیں ؛ جسے برباد کرتے ہیں اسی کے دل میں رہتے ہیں

ایک مرتبہ سفیان بدبخت ساتھ تھا۔ ایک "گبریلا" دیکھا۔ ابوفکیہہ سے کہا تیرا خدا یہ ہے (معاذ اللہ) ابوفکیہہ نے برجستہ جواب دیا۔ میرا خدا وہ ہے جس نے مجھے اور تجھ کو اور تیرے باپ دادوں کو پیدا کیا۔ ابوفکیہہ غلام۔ اور مجرم غلام۔ آقا کے سامنے حق بات کہدے قیامت آجائے! چنانچہ فکیہہ کے لئے فوراً جہنم تیار ہوا۔ اس طرح گلا گھوٹا کہ دم آنکھوں میں آگیا۔ مگر ابھی حیات باقی تھی۔ ظالم کا ہاتھ ڈھیلا ہو گیا تو ابوفکیہہ کی جان بچی۔ ایک مرتبہ امیہ بن خلف اور اُبی بن خلف دونوں آمادہ ہوئے کہ دلائل سے سمجھائیں۔ بہت کچھ گفتگو ہوئی۔ باطل کے پاس دلیل کہاں۔ آخر جب تنگ آمد بجنگ آمد کی نوبت پہنچی تو اُبی نے اُمیہ کو مشورہ دیا کہ ابوفکیہہ کی گردن میں رسی کا پھندا ڈلوا کر جھٹکے دیجائیں تا آنکہ اس کا آقا محمد صلے اللہ علیہ وسلم "اپنے جادو کے زور سے اسکو چھڑا لے جائے۔

جفا شعار خوگر ظلم سفیان کو اچھا مشغلہ ہاتھ آیا۔ پھندا گلے میں ڈلوا کر جھٹکے لگوانے لگا۔ حضرت ابوفکیہہ پر زندگی دو بھر ہو رہی تھی۔ بار بار نیم بسمل ہو کر تڑپتے اور پھر موت سے مایوس ہو کر اسی مصیبت کا سامنا کرتے۔ ناگاہ رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کا سچا جادو ظاہر ہوا۔ یعنی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس طرف تشریف لائے۔ سفیان سے گفتگو فرمائی - اور منہ مانگی رقم ادا فرما کر سیدنا ابوفکیہہ کو اس مصیبت سے نجات دلائی - زندہ باد ابوفکیہہ - زندہ باد ابوبکر رضی اللہ عنہما (محمد سبحان)

مجمل بیعت تابعیت

یعنی

تفسیر مختصر و تبویب سورۂ فاتحہ

(از حضرت علامہ ابو السحامد مولانا محمد بن عبد اللہ الانصاری معروف بمنصور انصاری دامت برکاتہم مقیم کابل

(خاص برائے رسالہ قائد)

رسالہ قائد اپنی سعادت پر جس قدر ناز کرے کم ہے۔ ابھی اس کے چند نمبر شائع ہوئے ہیں کہ علماء کرام کی توجہات قدسیہ کو اس نے اپنی طرف منعطف کر لیا۔ اکابر ملت نے اپنے مضامین کے لئے اسکو شرف انتخاب بخشنا شروع کر دیا۔ اور ایک عام مقبولیت کے آثار اس کی روز افزوں فرمائشوں سے نمایاں ہونے لگے۔ وللہ الحمد

رسالہ "قائد" کی سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ حضرت علامہ منصور انصاری مظلہٗ کے بیش بہا سیاسی اور مذہبی مضامین کے لئے اس کو منتخب فرمایا گیا۔

حضرت علامہ غازی محمد ابن عبداللہ انصاری عرف حضرت منصور انصاری ان بلند پایہ مجاہدین ملت اور ارکین حریت و استقلال میں سے ہیں جن کو سیدنا شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن قدس اللہ سرہ کی پُر اسرار رفاقت کا شرف حاصل رہا ہے۔

استقلال وطن کے مقدس اور بے پناہ جذبات کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ سالہا سال سے اپنے وطن عزیز اپنے اہل و عیال، اقربا و اعزا سے بہت دور اور کابل میں جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور آج جبکہ ہندوستان آزادی کی ایک قسط حاصل کر کے۔ اپنے جلاوطن سپوتوں کو پھر ملک کے اندر واپس بلا رہا ہے۔ آپ کے لئے اب تک ہندوستان کے دروازے بند ہیں۔

اور یہ خبر ہمارے لئے یقیناً روحی تکلیف کا باعث ہوئی کہ آپ کابل میں بھی ایک قسم کی نظربندی کے ساتھ مقیم ہیں۔ بہر حال اس قسم کی تکالیف خواہ کتنی بھی کیوں نہ ہوں۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ نہایت شاندار تاریخ کے مالک ہیں۔ آپ کا وجود گرامی بلاشبہ اسلامی سیاست کا ہیکل عظیم ہے۔ آپ دنیائے اسلام کو ایک ایسی سیاست کا درس دے رہے ہیں جو اگرچہ ابنائے زمانہ کی نظر میں جدید ہے مگر درحقیقت وہ مدنی

سیاست ہے۔ جو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے امن عالم اور سلامتی اہل عالم کے لئے دنیا کے سامنے رکھی تھی ـــــ زندہ باد ابو المحامد منصور غازی مدظلہٗ۔

تمہید اور تعارف۔ از محمد میاں قائد التحریر

غازی موصوف کا جو مضمون ہدیہ ناظرین کیا جائیگا وہ سورہ فاتحہ کی تفسیر اور تبویب ہے۔ لیکن تشریح مضمون سے پیشتر چند امور بطور تمہید پیش کرنے ضروری معلوم ہوتے ہیں۔

(۱) اس چیز سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ اسلام نے حکومت کے لئے ایک خاص شکل دنیا کے سامنے پیش کی تھی۔ وہ نوع انسان کے لئے امن و امان کی دستاویز تھی۔ لیکن یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ اس پر عمل صرف خلافت راشدہ کے عہد ہمایوں میں ہوا۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خلافت راشدہ تیس سال ہوگی۔ اس کے بعد ملک عضوض کٹکھنی حکومت ہو جائے گی۔

خلافت راشدہ کے بعد صرف حضرت عمر بن عبد العزیز رح خلیفہ اموی کا دور خلافت ہے جس کو علماء تاریخ نے ملک عضوض سے بالاتفاق مستثنیٰ کیا۔ باقی اور تمام حکومتوں کے لئے ملک عضوض ہی کا اطلاق کیا ہے۔ البتہ جلال الدین سیوطی نے کچھ اور خلفا کے نام بھی گنائے ہیں۔ مگر وہ محض حسن ظن اور مورخ کی رائے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اسی طرح دیگر مورخین نے بھی کچھ نام پیش کئے ہیں۔ مگر ان کا حاصل یہی ہے کہ ان خلفا کا طرز حکومت خلافت راشدہ کے قریب تر تھا۔ لیکن یہ کہ اُن کی حکومت واقعی خلافت راشدہ تھی۔ اس پر اتفاق نہیں۔

اس سلسلہ میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز کا مضمون خاص اہمیت رکھتا ہے جو ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء میں آپ نے تحریر فرمایا ہے اس کو توفیق ایزدی اسلام اور آئین حکومت کے ضمن میں تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔ (انشاء اللہ)

(۲) سوال یہ ہے کہ اُس طرز حکومت کو آج ہم کس عنوان سے تعبیر کریں۔ آیا جمہوریت سے یا ڈکٹیٹر شپ سے یا پارلیمنٹری حکومت سے یا کسی اور عنوان سے۔

(۳) بلاشبہ فقہاء ملت نے ہر ایک پیش آنے والے اور احتمالی امر کے متعلق فتاوی تحریر فرما کر سیکڑوں مجلدات ترکہ میں چھوڑیں جو ہمارے لئے بلاشبہ مشعل راہ ہیں۔ اور جن کے باعث ہم اجتہاد کی بے پناہ

کاوش سے نجات پا گئے۔

لیکن یہ کہ اسلامی حکومت کے اجزاء ترکیبی کیا ہیں اس کی تفصیل سے کم از کم وہ کتابیں خالی ہیں جن تک ہماری رسائی ہوسکی۔ منتشر شذرات یقیناً موجود ہیں۔ لیکن ان کو یکجا کرنا خود ایک اجتہاد کا خواہاں ہے۔

(۴) رسالہ قائد کے پہلے نمبر میں آئین حکومت اور اسلام کے زیر عنوان ایک طویل بحث کے بعد آخر میں یہ عرض کیا گیا تھا کہ

"مقصود یہ ہے کہ جدوجہد انقلاب کے دوران میں ہمارے لئے ایک شرعی دستور حکومت معین ہوجائے تاکہ امت کی جدوجہد صحیح لائحہ عمل پر ہو۔

اس مقصود کے پیش نظر حضرت غازی کا یہ مضمون مقصد رسالہ کے عین مطابق ہے۔ اور اس کے کے لئے بہت بڑی کامیابی۔

(۵) حضرت غازی کے خیال کا اجمال یہ ہے کہ۔

(الف) اسلامی حکومت دنیا میں کسی کو شہنشاہ نہیں تسلیم کرتی۔ اس کا شہنشاہ احکم الحاکمین رب العالمین ہے۔

(ب) اسلام کا اصل دستور کتاب اللہ ہے۔ اور خلیفۂ اسلام کا فرض صرف اسکے احکام کا نافذ کرنا ہے اور بس

(ج) ہر ایک انسان اور بالخصوص ہر ایک مسلمان اسی حکومت الٰہی کا محکوم ہے۔ لہٰذا احکم الحاکمین کے سامنے عہد وفاداری پیش کرنا اس کا فرض اولین ہے۔

(د) سورۂ فاتحہ کی حیثیت اسی عہد و پیمان کی ہے۔ جس میں جملہ آداب محکومیت کا اعتراف ہے اور مراسم عبودیت کی تکمیل ہے۔

(۶) حضرت غازی کے اس عقیدہ کو سمجھنے کے لئے نہایت ہی ضروری ہے کہ ایضاح الادلہ کے اس مضمون کا کا بھی مطالعہ کرلیا جائے جو قضاء قاضی پر بحث کرتے ہوئے حضرت شیخ الہند رح نے سپرد قلم فرمایا ہے۔

(۷) اعتراف تقصیر | حضرت غازی کا مضمون فارسی میں ہے۔ اسکی فصاحت و بلاغت کا اندازہ ناظرین کرام خود فرمائیں گے اس کے ترجمہ کی مشکل ترین خدمت اس ناچیز کے ذمہ ہے۔ اس ناچیز کو کوتاہی استعداد کا خود اعتراف ہے۔ لہٰذا توقع ہے کہ جو کچھ خامی ہو اس کی اصلاح فرمادی جائے تاکہ یہ مضمون جب کتب خانہ فخریہ کی جانب سے کتابی شکل میں شائع ہو تو وہ اس خامی سے پاک ہو۔ اور اصلاح شدہ ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مدخل

خدمت امن وسلام عالم

در دنیاء آب وگل فانی۔ بہترین خدمت خدمت امن و سلام است۔ واشرف ترین افراد بشری خدام لاغرض وفداکار امنیت دنیا اشرف المخلوقات می باشند۔ در راہ ایں "خدمت بس مقدس" ہر قدر فدویت وسر بازی بکار بردہ شود ہنوز کم است۔

وبرائے ایں کتلہ محترم بہر مقدار کہ اخلاص وخدمت امداد وہمت افزائی نمودہ آید ہرگز بیشتش نخواہد بود مگر بہ تجربہ رسیدہ کہ در حلقہ بنی نوع ما۔ ہر مدعی امن خواہی امنیت خواہ نمی باشد۔ بلکہ ایں ہم شنیدہ نیز دیدہ شدہ کہ بسا مدعیان بلند ہنگام امن خواہی، در زیر ایں کاسہ یک نیم کاسہ فساد انگریزی داشتہ میخواہند کہ بشریت پرخلوص وامنیت خواہ را فریب دادہ شکار اغراض ہلاکت بار خویش بفرمایند۔

ازیں رو بر بشریت زحمت کشیدہ فرض ہوشمندی وکار آگاہی ست کہ بر ہر صدا مدعیانہ گوش نہ نہد۔ بلکہ با بدا دل دعوئ ہر مدعی را بمیزان عقل وتجربہ نیک بسنجد۔ وبعد ازاں در جوابش لا یا نعم بگوید۔

آب وگل کی دنیا فانی میں امن وسلامتی عالم کی خدمت بہترین خدمت ہے۔ نوع انسان کے افراد میں سب سے اشرف واعلیٰ وہ ہیں جو دنیا اشرف المخلوقات کے امن وامان کیلئے جانثار وفداکار ہوں اور بے لوث خدمت گذار۔ اس مقدس ترین خدمت کی راہ میں جسقدر فدویت اور سربازی سے کام لیا جائے کم ہے۔

اس کتلہ محترم کے لئے جتنی بھی مخلصانہ خدمات۔ امداد واعانت۔ ہمت افزائی کو کام میں لایا جائے اس کو زائد نہیں کہا جا سکتا۔ مگر تجربہ میں آچکا ہے کہ بنی نوع انسان کے حلقہ میں امن خواہی اور بہبودی کا ہر ایک مدعی امن خواہ نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ بھی سنا اور دیکھا گیا ہے کہ امن خواہی کے بڑے بڑے بلند ہنگام مدعی۔ امن وامان کے ایک کاسہ کے نیچے اس سے ڈیوڑھا جام فساد انگیزی کا چھپا رکھتے ہیں۔ اور خواہش رکھتے ہیں کہ پرخلوص اور امنیت خواہ بشریت کو فریب دیکر اپنی ہلاکت بار اغراض کا شکار کریں۔

جبکہ اس صورت سے انسانیت بہت کچھ زحمت برداشت کر چکی ہے۔ تو اب ہوشمندی اور واقفکاری کا فرض یہ ہے، کہ ہر ایک مدعی کی صدا پر کان نہ رکھا جائے۔ بلکہ ضروری ہے، کہ پہلے ہر ایک مدعی کے دعوے کو عقل اور[۲۴]

(باقی)

۲۴ تجربہ کی ترازو سے خوب تول لیں۔ اس کے بعد اُس کے جواب میں لا ، یا نعم کہیں۔

اقتصادیاتِ مسلم

زمین کس کی ہے؟

عروج وزوالِ مسلم کی تاریخی اسباب

(از قائد التحریر)

اس سوال کو آج کی مجلس میں ہم پھر دُہراتے ہیں کہ صرف ۱۸ سال کی تھوڑی سی مدت میں مسلمانوں نے دنیا کی سب سے بڑی منظم سلطنتوں کے پرچمے کس طرح اڑا دیے۔

ہم برطانیہ کی جنگی قوت۔ اُس کے آتشیں اسلحہ۔ اس کی جنگی ڈپلومیسیوں کا ہیبتناک تصور سامنے رکھ کر جب دیکھتے ہیں کہ اُسکی ہلاکت بار شہنشاہیت کا ہراول ہندوستان میں سولھویں صدی کے آخر میں آچکا تھا۔ اور اگر پرتگیز بحری کپتان "واسکوڈاگاما" کی آمد کو یورپ کا ہراول قرار دیا جائے تو ۱۴۹۸ء میں ہندوستان برطانوی سامراج کے نزول نامسعود کا نشانہ بن چکا تھا۔ مگر اس کے بعد پورے تین سو پچپن برس بعد ورنہ کم از کم ایک سو ستاون سال بعد برطانوی دجالوں کی جدوجہد ہندوستان میں کامیاب ہوئی۔ اور ۱۸۵۸ء میں برطانوی شہنشاہیت کا پرچم پورے جلال وجبروت کے ساتھ ہندوستان میں لہرایا۔ تو عرب کے بادیہ نشین۔ غیر مسلح۔ فاقہ مست مٹھی بھر فقیروں کا صرف ۱۸ سال کے اندر دنیا کی سب سے بڑی شاہنشاہیتوں پر غالب آجانا۔ سراسر معجزہ معلوم ہوتا ہے۔

لیکن عالم اسباب میں جب کہ قوموں کا عروج وزوال محض دعاء اور کرامت سے نہیں ہوتا۔ اور سنت اللہ ازل سے یہی جاری ہے کہ انقلاب کے اسباب سامنے آکر اولاً زمین کو انسان کے خون سے سیراب کرتے ہیں، پھر فتح کا سہرا کسی کے سر پر باندھا جاتا ہے۔ تو سوال پھر لوٹ آیا کہ اس تاریخی معجزہ کا سبب کیا تھا

ہمارے پاس اس کا جواب صرف ایک ہی ہے۔ اور درحقیقت وہی جواب بھی ہے۔ یعنی اس تمام فتح ونصرت کا واحد سبب امت عربیہ کا جزم۔ تھا۔

ہمارے خیال میں کامیابی کا سب سے بڑا سامان یہ جزم ہی ہے۔ بلاشبہہ جزم ہی وہ ہتھیار ہے۔ کہ اس کے بغیر تمام ہتھیار بیکار۔

اور میں گاندھی جی کی طرح یہ تو نہیں کہتا کہ جزم ہی ہتھیار ہے۔ ہاں میرا یہ عقیدہ یقیناً ہے کہ جزم اگر مل ہو تو تمام ہتھیار خود مہیا ہو جاتے ہیں۔

جزم کی تفسیر | ہماری زندگی کا بیشتر حصہ اسی خوش گپی میں صرف ہوتا ہے کہ کاش مسلمانوں میں تنظیم ہوتی کاش اُن کے پاس ایک حربی کالج ہوتا۔ کاش اُن کے نوجوان فنون حربیہ سے واقف ہوتے۔ کاش تبلیغ کا ایسا انتظام ہوتا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اس خوش گپی کے دوران میں اگر کوئی یہ سوال کر بیٹھے کہ بسم اللہ کیجیے اور میدان عمل میں آئیے۔ تو فوراً ہماری مجلس سونی پڑ جاتی ہے۔ موت کی افسردگی ہمارے اوپر طاری ہو جاتی ہے اور اپنی خفت مٹانے کیلئے ہم بسا اوقات سائل سے سخت کلامی پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن اُسکے ساتھ ساتھ اگر ہمارے سامنے کسی خاندانی تقریب کی ادائگی کا سوال ہو۔ تو وہ تمام تمنائیں پس پشت رہجاتی ہیں۔ اور سوجتن کر کے ہم اپنے خود ساختہ فرض کو ادا کرتے ہیں۔

ہمیں اس خانہ زاد فرض کی ادائیگی کے لئے زمین فروخت کرنی پڑتی ہے۔ اپنے رہنے کا مکان اُسی بقال کے ہاں گروی رکھنا پڑتا ہے جس کے ساتھ تحریک آزادی میں اشتراک کو حرام اور کفر بنایا جاتا ہے۔ مگر ہم سب کچھ کر گزرتے ہیں اور یہ تمام کفریات ہمارے جزم کے سامنے ہیچ ہو جاتے ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں فرق کیا ہوا۔؟ صرف یہی کہ پہلی صورت میں ہم نے خود کو آزاد قرار دیا۔ اور جزم تو درکنار کسی قسم کا ارادہ بھی نہیں کیا۔ اور دوسری صورت میں ہم نے طے کر لیا کہ ہمیں یہ کرنا ہے اور لامحالہ کرنا ہے۔ اسی چیز کا نام جزم ہے۔

ہم جزم سے آج بھی محروم نہیں۔ مگر افسوس اس کا محور ہماری نفسانی خواہشات ہوگئیں۔ اور آج بھی اگر کسی کا جزم کسی قومی کام کی طرف منعطف ہو جاتا ہے تو وہ اپنی زندگی کو ابدالآباد تک کے لئے تاریخ کا عظیم الشان جز بنا کر چھوڑ جاتا ہے۔

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب جیسے بزرگ سیکڑوں اور ہزاروں ہندوستان کی سرزمین میں پیدا ہوئے۔ مگر دارالعلوم کا بانی صرف محمد قاسم ہی ہوا۔ کیونکہ اُس نے جزم کر لیا تھا کہ ہندوستان میں ایک مرکز علم قایم کرنا ہے۔

سرسید جیسے ڈپٹی کلکٹر ہزاروں اب بھی ہیں سرسید سے زیادہ مالدار اور زیادہ مستغنی۔ زیادہ خوبصورت اور بے فکر۔ مگر یہ جزم صرف سرسید ہی نے کیا تھا کہ علی گڈھ میں ایک بلند پایہ مدرسۃ العلوم قائم کرنا ہے۔

صحابہ کرام کے عہد ہمایوں میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ وہ صرف یہ ہے کہ رب العالمین کا ہر ایک ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ایک سنت اُن کا جزم بن جاتی تھی۔ ارشاد ربانی روح ہوتا تھا اور صحابہ کرام پیکر عمل۔ سرتا سر جد و جہد۔ اُن کے سامنے ارشاد ربانی تلاوت کیا گیا۔

ان الارض یرثہا عبادی الصالحون۔ زمین اللہ کی ہے۔ اللہ کے نیک بندے اُس کے وارث ہونگے۔ باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ایک مستحکم وثیقہ ہے۔ مگر ہم نے اس کو خوش الحان قاری کی زبان سے جب سنا تو صرف یہ خیال پیدا ہوا کہ ض کس مخرج سے ادا کی گئی۔ دال کے مشابہ یا ظ کے مشابہ۔ ث۔ اور ص کس طرح ادا کیا گیا۔ لیکن صحابہ کرام کے سامنے جب یہ فرمان پڑھا گیا تو طبیعت پر ایک تازگی پیدا ہوئی۔ جزم میں ہیجان عمل پیدا ہوا دفعتہً زمین کے تمام گوشوں پر فاتحانہ نظر ڈالی۔ اُن کے سامنے صرف یہ سوال تھا کہ اگر ہم نیک نہیں ہیں تو اب نیک بنتے ہیں۔ انہوں نے استغفار پڑھا۔ بارگاہ ایزدی میں اپنی وفاداری کا حلف اُٹھایا۔

اب دوسرا سوال یہ تھا کہ ہمیں سب سے پہلی فرصت میں ان تمام ممالک پر قبضہ کر لینا ہے۔ کیونکہ عباد صالح ہم ہی ہیں۔ ہم ہی وارث ارض ہیں۔ ہم ہی مالک زمین ہیں۔ یہ تمام فاجر و فاسق جو زمین پر قابض ہیں وہ غاصب کئے ہوئے ہیں۔ ان کا قبضہ غاصبانہ ہے۔ ہر ملک ملک ما ست کہ ملک خدائے ما ست۔

افسوس اگر کوئی راجہ۔ نواب۔ یا کوئی صاحب بہادر آج ہمارے نام کسی زمین کا پٹہ لکھ دیتے ہیں تو ہمیں آفتاب کی چمکتی ہوئی روشنی سے بھی زیادہ اُس زمین کی ملکیت کا یقین ہو جاتا ہے۔ سپیدہ صبح کے طلوع ہونے سے پہلے ہم وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ دوسرے کے قبضہ کو وہاں سے ہٹاتے ہیں۔ اگر فوجداری کا خطرہ ہو تو اپنی پارٹی سمیت وہاں پہنچتے ہیں۔ مقدمات دائر کرتے ہیں۔ اور اپنی تمام راحت و آرام کو برباد کرکے اس پر قبضہ حاصل کرتے ہیں۔ لیکن خداوند عالم کا یہ فرمان ہمارے سامنے ہزاروں بار پڑھا گیا۔ مگر افسوس ہم نے کبھی بھی خیال نہیں کیا کہ خداوند عالم کا یہ وثیقہ جب ہمارے سامنے موجود ہے۔ تو آخر ہم خدا کی زمین پر کیوں قابض نہیں تم یہ کہو گے کہ قبضہ کس طرح حاصل ہو۔ ہم مجبور بے بس بے سامان۔ مگر میں یہی عرض کروں گا کہ تمام بے بسی قوت سے بدل سکتی ہے۔ ہر ایک قسم کا سامان فراہم ہو سکتا ہے۔ اگر تمہارے اندر جزم پیدا ہو جائے۔ صرف دو مثالیں پیش کرکے ہم آج کی مجلس ختم کرتے ہیں۔

(۱) جواہر لال بھی تمہاری طرح غلام ہے۔ مگر آزادی کا جزم کر چکا ہے۔ آپنے سنا وہ تمام دنیا کا دورہ کر رہا ہے۔ کیوں؟ اس کا جواب قبل از وقت ہے۔ سوال یہ ہے کہ تم جواہر لال سے ایک قدم آگے کیوں نہیں؟ تم نے دیکھا۔ بغیر ہتھیار اور بلا سامان دنیا کے تمام ممالک سے معاہدے کئے جا رہے ہیں۔ اور آزاد ہندوستان کے تعلقات بڑھائے جا رہے ہیں۔

(۲) دوسری مثال دہلی کے مسلمان بادشاہوں میں ایک بزرگ گزرے ہیں۔ جن کا اسم گرامی محمد شاہ تھا۔

آپ کے زمانہ ہیں دکن کے اطراف میں مرہٹوں کا غلبہ ہو گیا - باجی راؤ ایک برہمن راجہ تھا - وہ کچھ فوج لیکر دہلی آپہنچا - بس کیا تھا بقول مصنف عماد السعادت[عہ] "امیران جلیل القدر بادشاہی حواس باختند - وحضرت ظل سبحانی نیز بملاحظہ اضطراب وبد استقلالی امرا بسیار مشوش خاطر شدند" طرہ یہ ہے کہ مصنف فرماتے ہیں " یہ بے حواسی اس لئے نہ تھی کہ بادشاہی فوج کم تھی کیونکہ باجی راؤ کی ساری فوج بادشاہی ادر توپخانہ رعد نشانہ کہ نمونۂ قہر الہی تھا کے مقابلہ میں بچوں کے ہجوم سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی تھی - اور توپخانہ میں ایک روایت کے بموجب تین لاکھ اور ایک روایت کے بموجب چار لاکھ بندوقیں موجود تھیں - اور علاوہ ازیں سوار اور پیادہ کی اتنی فوج موجود تھی کہ اگر مقابلہ ہوتا تو باجی رائے کو قدر عافیت معلوم ہو جاتی " مگر چونکہ امراء دولت درحاشیہ نشینان بادشاہی ہمیشہ راحت واطمینان کے حصار میں عیش کی زندگی بسر کرتے رہے وہ اس ناگہانی حادثہ کا مقابلہ نہ کر سکے - اور دب کر صلح کرنے پر مجبور ہوئے - انا للہ وانا الیہ راجعون -

اس کے بعد جب نادر شاہ کا حملہ ہوا - تو اس کے متعلق بھی مورخ لکھتا ہے کہ نادر شاہ کے خطوط پر خطوط آتے رہے - مگر امراء دولت کی سمجھ ہی میں نہ آیا کہ یہ ہے کون - اس کا حسب نسب کیا ہے - اور جب وہ دندناتا ہوا پانی پت کرنال پہنچ گیا تو " حضرت خاقان گیتی ستان محمد شاہ باجمعیت فراوانے قریب پنج لکھ سوار وپیادہ وہشت ہزار ضرب توپ در یکہ وبروایتے یازدہ ہزار توپ زیب افزائے میدان فرمودند[عہ] "

خدا کی پناہ - پانچ لاکھ فوج - اور آٹھ ہزار یا گیارہ ہزار توپ دنیا کو فتح کرلے - مگر وہاں صرف تین آدمی ملے گئے اور بھگدڑ پڑ گئی - بادشاہ سلامت گرفتار ہو گئے - انا للہ وانا الیہ راجعون

نادر شاہ کے ساتھ بمشکل پچاس ہزار فوج تھی - مگر سب سے بڑی چیز یہ کہ اس کے ساتھ جزم تھا - پانچ لاکھ بادشاہی فوج جزم سے عاری تھی - اور پھر اسی نامردی کی بدترین مثال وہ گزری کہ جب منادی ندا دیا کرتا تھا تو کہا کرتا تھا

ملک بادشاہ سلامت کا حکم کمپنی بہادر کا - ڈھم ڈھم ڈھم ڈھم (معاذ اللہ)

اور آج تمہارے سامنے مسولینی ہٹلر اور مصطفے کمال کا جزم ہے - کہ برطانیہ اور فرانس کو لرزہ براندام کر رکھا ہے -

ایک نہایت لطیف سوال ہے کہ فاتحین اسلام کے اصول کیا تھے جو اس جزم کی تکمیل کے لئے معاون ہوئے - اس کا جواب انشاء اللہ آئندہ - یار زندہ صحبت باقی - (محمد میاں)

عہ صفحہ ۲۲ عماد السعادت

عہ صفحہ ۲۲ عماد السعادت

مقبولان بارگاہ کی مقدس جماعت

اصحاب صفہ کون کون حضرات تھے

(گذشتہ سے پیوستہ)

شقف بن عمرو بن تمیم اسدی۔ کنیت ابو مالک۔ بنی عبد شمس کے حلیف تھے۔ بدری ہیں بعض اہل سیر کا بیان ہے کہ ایک اسیر یہودی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ مگر حافظ ابن عبداللہ نے لکھا ہے کہ احد میں شہید ہوئے۔

حارثہ بن نعمان انصاری۔ کنیت ابو عبداللہ۔ بدر۔ احد۔ خندق وغیرہ دیگر تمام مشاہد میں شریک ہوئے۔ آپ کے فضائل و مناقب بکثرت ہیں۔ آپ نے بچشم خود جبرئیل علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرتے ہوئے دیکھا ہے بعض روایت میں ہے کہ آپ نے سلام کہا اور جبرئیل علیہ السلام نے سلام کا جواب بھی دیا۔ آپ نابینا ہو گئے تھے۔ بعض اہل تحقیق کا قول ہے کہ رویت جبرئیل علیہ السلام بحالت نزول وحی موجب نقدان و زوال بینائی ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ دہلوی شرح مشکوۃ میں حدیث کا ایک جزو لکھتے ہیں کہ ماسوا انبیاء علیہم السلام جس نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا اس کی بینائی جاتی رہی حضرت حارثہ کی زوال بصارت کا سبب بھی رویت جبرئیل ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم رویا میں جنت کے اندر ایک قاری کی آواز سنی دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ آواز حارثہ کی ہے۔ خیرات و برکات میں آپ یگانہ روزگار تھے۔ نابینا ہونے کی حالت میں گھر سے دروازہ تک ایک رسی باندھ دی تھی۔ جب فقراء و مساکین کی آواز سنتے خود رسی کے سہارے جاکر کھجور وغیرہ دیدیا کرتے تھے۔ گھر کے لوگوں نے بارہا کہا کہ آپ تکلیف نہ کیا کریں ہم ان کا انتظام کئے دیتے ہیں مگر آپ نے فرمایا کہ اپنے ہی ہاتھ سے دینا بہتر ہے کیونکہ میں نے آنحضرتؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مساکین کو اپنے ہاتھ سے دینا بری موت سے بچاتا ہے۔ شیخ ابوعمرو ابن عبداللہ نے تاریخ وفات خلافت حضرت معاویہ لکھی ہے۔

حازم بن حرملہ۔ آپ کو غفاری بھی کہا جاتا ہے۔ آپ سے صرف ایک حدیث مروی ہے جس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اَنَّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لہ یا حازم اکثر من قول لا حول ولا قوۃ الا باللہ فانہا کنز من کنوز الجنۃ۔ آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو زینبؓ آپ سے روایت کی ہے

حبیب بن زید بن عاصم انصاری مازنی۔ جنگ احد میں آپ شریک تھے۔ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلیمہ کذاب کے پاس یمامہ بھیجا تھا۔ کذاب جب کہتا کہ اتشھد ان محمد رسول اللہ (کیا تم محمدؐ کے پیغمبر خدا ہونے کی شہادت دیتے ہو) تو آپ جواب دیتے کہ نعم (ہاں) اور جب وہ اپنی رسالت کا اقرار کرانا چاہتا تو آپ فرماتے کہ میں بہرا ہوں۔ مجھے سنائی نہیں دیتا۔ بالآخر مسلیمہ کذاب نے اعضا کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے شہید کر دیا۔ رضی اللہ عنہ۔

حرملۃ بن ایاس تمیمی آپ کا شمار اہل بصرہ میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے آپ کے صاحبزادہ علیبہ نے آپ سے روایت کی ہے۔ وفد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے خیر کی وصیت چاہی۔ ارشاد فرمایا ائت المعروف واجتنب المنکر آپ بہت بڑے عابد شب گزار تھے۔ کثرت سے نوافل پڑھا کرتے تھے۔ حافظ نے تہذیب میں لکھا ہے کہ طول قیام کے باعث زمین میں آپ کے نقش قدم پڑ گئے تھے۔

عبداللہ بن انیس۔ کنیت ابویحیٰی۔ عقبہ میں شریک تھے۔ اُحد اور مابعد کے تمام مشاہد میں شریک ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ عمر فاروق۔ ابوامامہ۔ وغیرہ اصحاب سے آپ روایت کرتے ہیں۔ ضمرہ۔ عبداللہ۔ عطیہ۔ عمرو۔ عبداللہ بن کعب۔ جابر بن عبداللہ وغیرہ اکابر آپ سے روایت کرتے ہیں۔ ابوسعید بن یونس نے سنہ ۸۰ھ وفات لکھی ہے۔ دیگر اہل سیر نے ۵۴ھ لکھا ہے۔

ابوہریرہؓ۔ آپ کا اسم گرامی اہل سیر مختلف بیان کرتے ہیں۔ ابن خزیمہ کی صحیح روایت سے عبداللہ ظاہر ہوتا ہے۔ شیخ محی الدین نووی و دیگر محدثین کی تحقیق ہے کہ آپ کا اسم گرامی عبدالرحمٰن ہے۔ آپ رئیس اہل صفہ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ فضل بن عباسؓ۔ ابی بن کعب۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایت کرتے ہیں۔ اہل علم کی ایک بہت بڑی جماعت نے آپ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ جن کی تعداد حسب بیان امام بخاریؒ آٹھ سو سے زائد ہے۔ آپ کے فضائل و مناقب بہت ہیں۔ ابن عمرؓ کا ارشاد ہے کہ ابوہریرہ مجھ سے اعلم اور افضل ہیں۔ چونکہ انصار و مہاجرین کو تجارتی کاروبار اور دیگر اشغال کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں زیادہ حاضر باشی کا موقعہ نہ تھا۔ اور حضرت شیخ الطلبہ کو ان اشغال سے بے نیازی تھی اس لئے جی بھر کر سعادت صحبت سے مشرف ہوئے۔ آپ کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام صحابہ میں آپ اکثر الروایۃ تسلیم کئے گئے ہیں۔ چنانچہ امام نووی نے شرح مسلم میں حافظ ابن جوزی سے نقل کیا ہے۔ آپ سے ۵۳۷۴ احادیث مروی ہیں اتنی کثیر تعداد میں کسی اور صحابی سے حدیث مروی نہیں۔ بیت ۵۸ھ میں پہلے حضرت صدیقہؓ کا پھر تھوڑے دن بعد حضرت پیشوا اہل صفہ کا انتقال ہوا۔ امام نووی نے سنہ وفات

فقہیات

نسخ فی القرآن

ناسخ اور منسوخ کے متعلق فتویٰ

(گذشتہ سے پیوستہ)

بہرحال مسلمانوں کو اس قسم کی لغویات کا جواب دینا تھا۔ لیکن جواب دینے کا طریقہ ایک تو وہ تھا جو علماء ربانی کا مسلک رہا۔ یعنی یہ کہ اسلام کی حدود پر پوری استقامت سے ثابت اور قائم رہتے ہوئے نیز درایت اور روایت کے متعلق اکابر ملت اور ائمہ مجتہدین کے اصول کو تسلیم کرتے ہوئے اصل مسئلہ کی تشریح اس طرح کر دی جائے کہ اس کے ماحول سے شکوک و شبہات کا گرد و غبار صاف ہو جائے۔ اور حقیقت کا نورانی تسکین بخش چہرہ بے نقاب ہو کر سامنے آ جائے۔

لیکن بدقسمتی سے مسلمانوں میں ایک جماعت وہ بھی ہوئی جو اگرچہ علوم شریعت کی ماہر نہ تھی۔ اور اس دنیا پر جواب دہی کا فریضہ اس پر عائد بھی نہ ہوتا تھا۔ مگر وہ خود سے میدان میں آئی۔ لیکن آئی اس صورت سے کہ دشمن کا رعب اس پر چھایا ہوا تھا۔ اور اس کے اقتدار سے اس کی آنکھیں چکا چوند تھیں۔

یہ جماعت علماء ملت کے مقابلہ پر تو شیر ببر تھی لیکن عیسائیوں کے احترام کے لئے اس کی گردن جھکی تھی۔ اس جماعت نے جواب دینے کے لئے اپنے عقلی اختراعات کے بموجب نئے نئے طریقے اختیار کئے۔ اور ملت اسلامیہ میں ایک نیا انتشار پیدا کر کے نفع کے بجائے اس کو نقصان پہنچا دیا۔

مثلاً عالیجناب آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں صاحب بہادر۔ کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ایل۔ ایل۔ ڈی۔ ایف۔ آر۔ ایس۔ بانی مدرسۃ العلوم علیگڑھ (علی گڑھ کالج)

ایک طرف آپ انگریزی گورنمنٹ کے وہ عزیز ترین رکن ہیں کہ شاید ہی کوئی ہندوستانی انگریز کی نظر میں اس قدر عزیز ہوا ہو۔ اور شاید ہی کسی ڈپٹی کلکٹر نے انگریزی حکومت سے اتنے خطابات حاصل کئے ہوں۔ مگر دوسری جانب آپ مجدد ملت۔ حامی طریقت۔ حامل شریعت اور محافظ دین کی حیثیت بھی اپنے لئے خود ہی تجویز فرما لیتے ہیں اور عیسائیوں کی جوابدہی کی کوشش فرماتے ہیں۔ اور باوجودیکہ علماء ربانی نے جوابات دیکر عیسائیوں کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ مگر آپ اپنی رائے کے بموجب خطبات احمدیہ وغیرہ تصنیف فرماتے ہیں

خطبات احمدیہ کو سرسید کی عظیم الشان اسلامی خدمت قرار دیا جاتا ہے۔ یہ کتاب موصوف نے عیسائی معترضین کی تردید میں ایسی حالت میں لکھی کہ اسلامی حمیت اور غیرت کے باعث سرسید سراسر ایثار بن گئے تھے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کتاب کے لئے مادہ فراہم کرنے کے واسطے سرسید اپنا تمام اثاثہ فروخت کر کے انگلستان گئے اور وہاں ایک عرصہ تک رہ کر کتب بینی خود بھی کی اور دوسرے انگریزی خواندہ احباب یا ملازمین سے بھی امداد لی۔

بہرحال اگر سرسید نے ایسا کیا تو ان کی نیک نیتی کا ثبوت ہے۔ مگر اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس جوش و اضطراب میں جو غلطیاں سرسید نے کیں وہ ناقابل تلافی ہیں۔ مثلاً

(۱) سلف صالحین کی اتباع کرنے یا حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم بانی دارالعلوم دیوبند مولانا رحمت اللہ صاحب فاتح نصرانیت مہاجر کی۔ جیسے ہمعصر علماء کا تعاون حاصل کرنے کے بجائے صرف اپنی رائے پر اعتماد کیا۔ جو انگریزی ملوکیت کے اقتدار سے مرعوب اور جدید تہذیب کی ظاہری ٹیپ ٹاپ سے ماؤف ہو چکی تھی۔

(۲) چونکہ علوم الہیہ اور شرعیات سے کامل واقفیت نہ تھی تو اصل جواب سے تو بسا اوقات نابلد رہے۔ عقلی اختراعات کو جواب قرار دیا۔ اور اس صورت سے اسلامی حدود سے آزادی کا نیا مذہب ایجاد کر دیا۔

(۳) چونکہ وہ عقلی اختراعات یورپ کی درندگی نواز بہیمیت پرور تہذیب کی تاریکی میں پرورش پائے ہوئے تھے۔ لہٰذا ناممکن تھا کہ احادیث مقدسہ یا سلف صالحین کا صادق اور برحق مسلک اُن من گھڑت امور کی موافقت کرتا۔ تو لامحالہ احادیث مقدسہ کا جا بجا انکار کرنا اور سلف صالحین کے مسلک کو دقیانوسی قرار دینا سرسید کے لئے لازمی ہوا۔ اور اس طرح درایت کا ایک نیا اصول ایجاد کیا کہ جو چیز عقل میں آئے وہ صحیح باقی سب غلط۔

(۴) بہت ممکن ہے سرسید صاحب اپنی کامیابی پر خوش ہوں۔ مگر ہمیں سرسید کی ناکامی پر افسوس ہے۔ اس طرز جواب سے سرسید نے یہ تسلیم کر لیا کہ جن احادیث کو صحیح السند کہا جاتا ہے جن کے راویوں اور سندوں کی تحقیق و تفتیش میں علماء امت نے اپنی ساری زندگیاں صرف کر دیں۔ عمر بھر کے راحت و آرام کو قربان کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی۔ اور زندگی مبارک کی ہر ایک حالت۔ لسان رسالت سے صادر ہونے والے ہر ایک حرف کو اس طرح محفوظ و منضبط کر دیا جو دنیا کی تاریخ میں بلاشبہ معجزہ ہے جس کی نظیر دنیا کا کوئی مذہب کسی متبع یا کسی مذہبی دستور کے متعلق پیش نہیں کر سکتا۔ وہ سب اکارت ہے

رہنے کی تعبیر ہے۔ تحقیق سے عاری اور درایت سے بے بہرہ (معاذ اللہ)

نیز وہ اسلام جس کو آج تک سلف صالحین، علماء دین نے اسلام کی [illegible] اور [illegible]، خرافات کا مجموعہ ہے اور لغویات کا انبار ہے۔

(۵) علاوہ ازیں جب خود اپنے مسلمات میں کتر بیونت کر دی گئی تو [illegible] کیسے ہوا۔ اور ایسا جواب دینا باعث ننگ ہے یا قابل فخر۔

(۶) ہمیں کسی کی نیت پر حملہ کرنے کا کوئی حق نہیں لیکن جب ہمیں تاریخ ایک طرف یہ بتاتی ہے کہ انگریز نے ہندوستان میں پہنچکر جس چیز کو اپنے لیے ذریعۂ بقا گردانا وہ دو اصول تھے

(الف) پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو (ب) ایک ایسی تعلیم رائج کرو جس سے اگر ہندوستانی عیسائی نہ بنیں تو کم از کم اپنے مذہب کو لغو ضرور سمجھنے لگیں (ملاحظہ ہو حکومت خود اختیاری، مصنفہ سید نبیل احمد صاحب علیگ) اور دوسری جانب ہندوستان کے سب سے بڑے اسلامی اور انگریزی مدرسۃ العلوم کا بانی۔ اس قسم کے جوابات اور خیالات کی اشاعت کرے تو لامحالہ سرسید کی غیرت اور حمیت کا پرو پاگنڈا ایک نہایت حیرت انگیز معمہ بن جاتا ہے۔

(۷) دنیا اس فلسفہ کو یقیناً نہیں سمجھ سکے گی کہ اعتراضات انگریزی زبان میں اور یورپ میں اور اُن کے جوابات ہندوستانیوں کی عام فہم زبان میں اور ہندوستان میں" ایں چہ بوالعجبی است۔

(۸) سرسید کی مرعوبیت کا اندازہ اس سے بآسانی ہو سکتا ہے کہ وہ صحیح احادیث کا انکار کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔ سلمانوں میں قرآن مجید ہر شخص کی دسترس میں ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔

> بس کسی آیت کو ناسخ اور منسوخ قرار دینا صرف فقہا کی رائے ہے۔ جو انہوں نے اپنے مسائل کے استنباط کے طریقہ کی تسہیل کے لئے اختیار کی ہے۔ مگر اس سے یہ بات کہ درحقیقت قرآن میں ناسخ و منسوخ ہے لازم نہیں آتی (خطبات احمدیہ صفحہ ۲۷۹)

الحاد اور اجتہاد میں فرق الحاد اور اجتہاد دونوں صورتوں میں عقل اور رائے سے کام لیا جاتا ہے۔ مگر صرف ایک فرق ہے اور وہی درحقیقت ہدایت اور ضلالت کا مدار ہے۔ کسی سوال کے متعلق کوئی شخص اپنا ایک نظریہ قائم کرے اور پھر جملہ آیات اور احادیث کو توڑ مروڑ کر اسی نظریہ پر چسپاں کرلے۔ اس کا نام الحاد اور زندقہ ہے۔ اس کو شریعت کی رائے میں قول بالرائے کہا جاتا ہے

اس صورت میں اگر وہ اتفاقاً صحیح جواب بھی دیدے تب بھی خطا کار ہے۔ کیونکہ جواب کے اصول سے ہٹ کر اُس نے جواب دیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من قال فی القرآن برأئہ فاصاب فقد اخطاء (ترجمہ جو شخص اپنی رائے سے قرآن پاک کی تفسیر کرے اگر وہ صحیح بھی ہو تب بھی وہ خطا کار ہے۔ (ترمذی شریف)

(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مقدمہ تفسیر ابن کثیر وغیرہ)

لیکن اگر وہ اپنی رائے کچھ نہیں قایم کرتا۔ بلکہ خالی الذہن ہو کر آیات اور احادیث میں جواب تلاش کرتا ہے وہ ہر ایک نص کے مالہ وماعلیہ اور قانون شریعت کے منشاء کو سامنے رکھتا ہے اور وہ تمام چیزیں جو دینیات میں اصول موضوعہ یا علوم متعارفہ کی حیثیت رکھتی ہیں اُس کے پیش نظر ہیں۔ اور اب جو بات اس کے ذہن میں آتی ہے اس کو وہ جواب قرار دیتا ہے تو اسی کا نام افتا ہے اور اسی کے اونچے درجہ کو اجتہاد کہا جاتا ہے۔ اِس صورت میں اگر اُس سے غلطی بھی ہو جائے تب بھی اس کو جد و جہد اور غور و خوض کا ثواب ملتا ہے۔ اللھم الھمنا الرشد و اعذنا من شرور انفسنا۔ تمہید ختم ہوئی آئندہ اصل جواب شروع ہوگا

اَلمُختَار للفتویٰ

صلی المُسَافِرُ بالتیمم ونسی الماء فی رحلہ لم یعد[۱]۔ ومن غلب علی ظنہ قرب الماء طلبہ قبل التیمم۔ ویطلب الماء من رفیقہ۔ فان منعہ یتیمم[۲]۔ ویشتری الماء بثمن المثل۔ ولا یجب علیہ ان یشتریہ بالاکثر[۳]۔ ولا یجمع بین[۴] الوضوء والتیمم فمن کان بہ جراحۃ غسل بدنہ الا موضعہا ولا یتیمم لہا۔

کسی[۱] مسافر نے نماز پڑھ لی۔ حالانکہ پانی اس کے کجاوہ میں موجود تھا جس کو وہ بھول گیا[۲] تو نماز کا اعادہ نہیں۔ اور جس کو پانی کی نزدیکی کا زیادہ گمان ہو وہ تیمم سے پیشتر[۳] پانی کو تلاش کرلے۔ اور برابر کی قیمت[۴] پر پانی (مل جائے) تو خرید لے۔ اور اس پر واجب نہیں کہ زیادہ قیمت[۵] ادا کرکے پانی خریدے۔ وضو[۶] اور تیمم میں جمع جائز نہیں۔ چنانچہ جس شخص کے بدن پر زخم ہو۔ وہ اپنے بدن کو دھولے۔ زخم کی جگہ کو مستثنیٰ کرکے۔ اور اُس زخم کے لئے تیمم نہ کرے۔

حاشیہ عربی

[۱] رمزہ سف ای خلافا لابی یوسف والشافعی قال فی شرح النقایہ فی رحلہ ای منزلہ بعد ما صلی متیمما وکان بحل ینسی فیہ عادۃ فسواء ذکرہ فی الوقت او بعدہ لا یعید الصلوٰۃ اذا وضعہ بنفسہ او وضع بعلمہ عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ خلافا لابی یوسف وکذا عند مالک والشافعی واذا وضع بغیر علمہ فبالاتفاق۔ شرح نقایہ

[۲] رمزہ ف ا سے خلافا للشافعی رح ۱۲۔

حاشیہ اردو

[۱] اس مسئلہ میں ایک قید اور بھی قابل لحاظ ہے۔ وہ یہ کہ پانی ایسی جگہ ہو کہ عادۃ بھولا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اگر سامنے کے حصہ میں مشکیزہ لٹکے ہاہی اور بھول گیا تو اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ وضو کرے اور نماز لوٹائے [۲] اگر بھولا نہیں تھا بلکہ اس کو یہ خیال رہا کہ پانی ختم ہو گیا۔ چنانچہ اسی خیال پر اس نے تیمم کرکے نماز پڑھ لی تو اس صورت میں اسکو نماز دوبارہ پڑھنی ہوگی کیونکہ فراموشی تو شریعت میں معاف ہے لیکن یہاں تو ایک خیال تھا جس کی تصدیق اور تصحیح ضروری تھی ۱۲ [۳] ایک غلوہ یعنی اتنی دور کہ جتنی دور تیر جا کر پڑے یعنی چار سو یا پانسو گز یا تقریبًا ایک ڈیڑھ فرلانگ تک پانی تلاش کرے۔ [۴] سوال کرنا اور مانگنا اگرچہ حرام ہے۔ مگر ضرورۃً جائز ہوتا ہے نیز معمولی چیزوں کے مانگنے میں جنکو عام طور پر دیدیا کرتے ہوں۔ کچھ حرج نہیں [۵] یعنی اس مقام کے لحاظ سے جو قیمت ہوتی ہو۔ اور زیادہ سے مراد یہ کہ دو چند۔ سہ چند قیمت مانگے ۱۲ [۶] اگر بدن پر زخم اتنے لگے ہیں کہ نصف سے زیادہ یا نصف اعضاء وضو زخمی ہیں تو اب صرف تیمم کرلے۔ اور اگر نصف یا اس سے زیادہ اعضاء وضو اچھے ہیں اور انکو دھو سکتا ہے تو اب اسکو وضو کرنا ہوگا۔ باقی زخمی اعضا کو صرف تر ہاتھ کا پھیر لینا کافی ہوگا۔ اور تر ہاتھ کے پھیر لینے میں تکلیف اور پریشانی ہوتی ہو تو محض بھی پر ہاتھ پھیر لینا کافی ہوگا۔ اس کے مسائل آگے آئیں گے۔ جہاں بھی پر مسح کرنے کے احکام بیان کئے جائیں گے واللہ اعلم

باب المسح علی الخفین

ویجوز لمن وجب علیہ الوضوء لا الغسل۔ ویشترط لبسہما علی طہارۃ کاملۃ۔ ویمسح المقیم یوماً ولیلۃ والمسافر ثلثۃ ایام ولیالیہا۔ من عقیب الحدث بعد اللبس والمسح علی ظاہرہما وفرضہ مقدار ثلثۃ اصابع الید۔ والسنۃ ان یبدأ من اصابع الرجل الی الساق۔

ولا یجوز علی خف فیہ خرق کبیر یتبین منہ مقدار ثلث اصابع من اصابع الرجل الصغار۔ ویجمع خروق کل خف علی حدتہ۔

باب۔ موزوں پر مسح کا بیان

موزوں پر مسح کر لینا اس شخص کے لئے جائز ہے جس پر وضو واجب ہو۔ البتہ اگر غسل واجب ہو تو اس کے لئے موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں۔ شرط یہ ہے کہ موزے پہننے پر (حدث سے پہلے) وضو کامل ہو گیا ہو۔ جبکہ موزے پہننے کے بعد حدث ہوا ہو تو اب حدث کے بعد سے مقیم ایک دن ایک رات اور مسافر تین دن تین رات تک مسح کرتے رہیں۔ مسح موزوں کے اوپر کے حصہ پر کیا جائیگا فرض تو محض ہاتھ کی تین انگلیوں کی برابر ہے۔ (البتہ) سنت یہ ہے کہ انگلیوں سے شروع کر کے پنڈلی تک کھینچتا ہوا لے جائے۔

ایسے موزے پر مسح جائز نہیں جس میں اتنا بڑا شگاف ہو جس سے پیر کی تین چھوٹی انگلیوں کی برابر جگہ کھل جاتی ہو۔ اگر ہر ایک موزے میں کچھ شگاف ہوں تو اُن کو الگ الگ ملا کر دیکھا جائیگا (اگر ایک موزے کے متفرق شگاف مذکورہ بالا مقدار کو پہنچ جائیں تو مسح جائز نہ ہوگا۔ اور اگر دونوں پیروں کے موزوں میں اتنے شگاف ہوں کہ ان سب کو ملانے سے مذکورہ بالا مقدار پائی جائے تو مسح جائز رہے گا)

حاشیہ عربی	حاشیہ اردو
اے رمزہ ف ای خلافاً للشافعی رح	لہ طریقہ تو یہی ہے کہ پہلے پوری وضو کر لو۔ اسکے بعد موزے پہنو۔ لیکن اگر کسی شخص نے پہلے پیر دھو کر موزے پہن لئے اس کے بعد باقی وضو کیا تو یہ بھی جائز ہے
عہ رمزہ ف ای خلافاً للشافعی	مگر شرط یہ ہے کہ حدث سے پہلے وضو پوری کر چکے۔ یعنی موزہ پہننے کے بعد باقی حصہ وضو پورا کرنے تک بیچ میں پیشاب یا پاخانہ وغیرہ ناقض وضو پیش آیا ہو ۱۲
سہ رمزہ ف ای خلافاً للشافعی لانہ قدر بجزما مالک بالاثر سا ترا و قیاسا (شرح نقایہ) ۱۲	۲ے جو مدت بیان کی گئی ہے اس کا آغاز موزے پہننے کے بعد فوراً ہی نہ ہوگا بلکہ موزے پہننے کے بعد جب اسکا وضو ٹوٹے تب سے اس مدت کا آغاز مانا جائیگا۔ مثلاً کسی نے دس بجے وضو کر کے موزے پہنے پھر مغرب کے وقت تک اسکا وضو رہا۔ پھر مغرب بعد ۹ بجے شب کو اسکا وضو ٹوٹا تو اب ۹ بجے شب سے مدت مسح شروع کی جائے گی۔ واللہ اعلم بالصواب

دار التالیف و الاشاعت مراد آباد کی مطبوعات

محصول ڈاک و پارسل بذمہ خریدار ہوگا

ایضاح الادلہ | مولفہ سیدنا شیخ الہند حضرت مولینا محمود الحسن صاحب قدس سرہ العزیز۔ احناف کی جانب سے اہل حدیث کے اعتراضات کے متعلق علمی جوابوں کا بےنظیر خزانہ ہے۔ الہامی فوائد کا قیمتی ذخیرہ ہے۔ حضرت مولف کا مشہور علم و فضل مضامین کے حسن و خوبی اور استناد کے لیے اعلیٰ شاہد ہے۔ قیمت عمدہ کاغذ عہ معمولی کاغذ عہ

النور الفائض علی علم الفرائض | مولفہ سیدنا حضرت علامہ مولانا انور شاہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز سابق شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند۔ علم فرائض کے اصول کے متعلق بہترین فارسی نظم ہے۔ اس کے یاد کر لینے پر طلبہ کیلئے علم فرائض بالکل سہل ہو جاتا ہے قیمت صرف ۲ر

الاربعین یعنی تصویر اسلام | مولفہ حضرت علامہ سید فخر الدین احمد صاحب شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد۔ یہ کتاب تقریباً ڈھائی سو احادیث مقدسہ اور بیس آیات کریمہ پر مشتمل ہے۔ ان احادیث و آیات سے اسلام کی تمام اخلاقی، اعتقادی اور ایمانی تعلیمات کا نقشہ عام فہم دلنشیں پیرایہ میں کھینچ دیا گیا ہے۔ ہر مسلمان کو اس کا مطالعہ بالکل ضروری ہے۔ قیمت صرف ۶ر

اسلامی تعلیمات کا تبلیغی مرقع مولانا سید محمد میاں صاحب۔ یہ ایک خوبصورت نقشہ ہے جو اربعین کی طرح تمام اسلامی تعلیمات پر مشتمل ہے۔ ۱۱۸ قرآن پاک کی آیات اور تقریباً دو سو احادیث صحیحہ کو حوالہ کتب و صفحات کیساتھ ایک نقشہ میں جمع کر دیا گیا ہے۔ دیوار پر چسپاں کر دیجیے گویا ہر وقت دعا آپکے سامنے رہے گا۔ بقول حضرت علامہ مفتی کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند دریا کو کوزہ میں بھر دیا گیا ہے۔ ہر مسلمان کے گھر میں اس کا رہنا ضروری ہے اور حسب الارشاد حضرت علامہ مولینا اعزاز علی صاحب ہر مسجد کے امام صاحب کو اس کا ایک حصہ یومیہ حاضرین جماعت کو سنا دینا چاہیے قیمت ۲ر۔ ۲ر کے ٹکٹ آنے پر ارسال کیا جا سکتا ہے

اسلامی تاریخ کی پہلی کتاب سیر ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم معہ عقائد و احکام اسلام ۔ مولفہ مولانا سید محمد میاں صاحب۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، کلمہ طیبہ کی تشریح اور تفصیل اور عقائد و احکام۔ اسلام کی تعلیم کے متعلق یہ بےنظیر کتاب ہے۔ بچوں اور عورتوں کے لئے بہت زیادہ مفید۔ نہایت خوبصورت چھپا ہے بہتی ہے داخل درس کیجاتی ہے جلی خط میں طبع کرائی گئی ہے صفحات ۹۵ قیمت ۲ر

اصلاح الرسوم | مولفہ حضرت حکیم الامتہ مولانا اشرف علی صاحب۔ یہ مشہور اور معروف کتاب ہے، ہر ایک مسلمان کے لئے اس کا مطالعہ بہت مفید اور بہت ضروری ہے۔ عمل و خیال کی اصلاح کیلئے بہترین کتاب ہے۔ بعض بعض الفاظ کے اغلاق کی شکایت تھی۔ کتب خانہ فخریہ نے اسکو حل لغات در حاشیہ کے ساتھ طبع کرایا ہے۔ صفحات پہلے سے بھی بڑھ گئی ہے۔ مگر قیمت وہی ۸ر

آنیوالے انقلاب کی تصویر۔ جذبات حریت کا کامیاب درس از مولانا سید محمد میاں صاحب۔ سیاسیات حاضرہ پر بےنظیر تبصرہ ہے صفحات ۲۴۴۔ اور قیمت بلحاظ رفاہ عام صرف ۱ر علاوہ محصولڈاک۔

معرفۃ التجوید | فن قرأت کے متعلق بہترین رسالہ ہے جسکو قرآن کے ساتھ بچوں کو پڑھا دینا ضروری ہے تاکہ حروف کی ادائیگی صحیح ہو اور قرآن پاک کی تلاوت کا ثواب پورا مل سکے جابجا داخل درس ہے قیمت ۱ر

[illegible]

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

[illegible]

۱۶ ربیع الاول

[illegible]

علمائے کرام اور طلبہ

[illegible]